مشاہد کے فضائل، ان کے حالات اور دوسرے متفرق اور مفید معلومات کو جن کا جاننا ایک حاجی کے لیے ضروری ہے، اختصار اور جامعیت کے ساتھ لکھا گیا ہے اور اس لحاظ سے یہ کتاب صحیح معنوں میں رفیق حج ہے، اس کے بعد حج و زیارت کے لیے کسی معلم کی امداد و رہنمائی کی ضرورت نہیں رہتی۔

گلہائے پریشاں۔ مرتبہ جناب الیاس احمد صاحب، ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ جج تقطیع بڑی ضخامت ۴۸۶ صفحات، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت عہ پتہ کتابستان الہ آباد۔

لائق مرتب کو شعر و سخن سے خاص ذوق ہے، اور وہ سخن فہمی اور سخن سنجی کا بڑا ستھرا مذاق رکھتے ہیں، اس ذوق کی بنا پر آج سے تقریباً بیس پچیس سال پہلے جب وہ اعظم گڈھ میں منصف تھے، اردو اور فارسی اشعار کا ایک مختصر انتخاب بہار کے نام سے مرتب کر کے شائع کیا تھا، اسکے بعد بھی ان کا یہ شغل برابر جاری رہا، اور بہت سے نئے اشعار جمع ہو گئے، اب انھوں نے اس کو ایک ضخیم مجموعہ کی صورت میں "گلہائے پریشاں" کے نام سے شائع کیا ہے، یہ انتخاب پہلے انتخاب کے مقابلہ میں چوگنا ہے، اس کی ترتیب میں شعراء کی ترتیب زمانی کا لحاظ رکھا گیا ہے، اور اشعار کو مختلف سرخیوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے، جس سے یہ سہولت ہو گئی ہے کہ جس قسم کے اشعار مطلوب ہوں، آسانی سے مل جاتے ہیں جس شعر کے متعلق کوئی لطیفہ یا واقعہ ہے، اس کو نقل کر دیا گیا ہے، جس سے اس کا لطف دوبالا ہو گیا ہے، اشعار کے انتخاب کا تعلق زیادہ تر ذوق سے ہے، اس لیے اختلاف مذاق کی بنا پر انتخاب بھی مختلف ہو سکتا ہے لیکن مصنف کا ذوق ستھرا اور پاکیزہ ہے، اس لیے مجموعی حیثیت سے یہ انتخاب دلکش، پسندیدہ اور اصحاب ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے،

(م)

نمبر ۵ ماہ ربیع الثانی ۱۳۷۷ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۵۷ء جلد ۸۰

مضامین

شذرات	شاہ معین الدین ندوی	۳۲۲-۳۲۴

مقالات

ابن الجزری	جناب مولانا محمد عبد العلیم صاحب چشتی فاضل دیوبند	۳۲۵-۳۴۴
فارابی کی منطق	جناب شبیر احمد خانصاحب غوری ایم اے رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی اترپردیش	۳۴۵-۳۶۶
فارسی زبان میں صوت شناسی	جناب ڈاکٹر نذیر احمد صاحب مسلم یونیورسٹی،	۳۶۷-۳۸۱
ملک الشعراء اختر کا غیر معروف کلام	جناب بشیر الحق صاحب دیسنوی	۳۸۲-۳۹۰

ادبیات

نعت فارسی	جناب کریم الرضا خانصاحب وکیل شاہجہانپور	۳۹۱

باب التقریظ والانتقاد

رسالوں کے خاص نمبر	"ض"	۳۹۲-۳۹۶
مطبوعات جدیدہ	"م"	۳۹۷-۴۰۰

شذرات

دار المصنفین کے اس نازک دور میں جبکہ وہ انتہائی مالی مشکلات میں مبتلا تھا حکومت ہند کے بعد اس کی سب سے زیادہ امداد و دستگیری حکومت کشمیر نے کی، ابھی گذشتہ سال وہ دس ہزار کا گرانقدر عطیہ دے چکی ہے، اب پانچ ہزار سالانہ کی مستقل امداد مقرر کی ہے، اس بیش قیمت امداد نے حیدرآباد اور بھوپال کی امدادوں کی جو اب بند ہو چکی ہیں، پوری تلافی کر دی، درحقیقت علمی خصوصاً اردو کے اداروں کی امداد میں حکومت کشمیر ہی ان دونوں ریاستوں کی جانشینی کا حق ادا کر سکتی ہے، اس گرانقدر امداد کے لیے ادارۂ دار المصنفین حکومت کشمیر، اس کے وزیر اعلیٰ آنریبل بخشی غلام محمد اور دار المصنفین کے محترم صدر عالیجناب ڈاکٹر سید محمود صاحب ممبر پارلیمنٹ کا دل سے شکر گذار ہے، ڈاکٹر صاحب کی ذات اس زمانہ میں دار المصنفین کے لیے فرشتہ رحمت سے کم نہیں ہے،

ہندی کے نادان دوست یہ سمجھتے تھے کہ وہ قوت کے زور سے صوبائی اور علاقائی زبانوں کو دبا کر پورے ہندوستان میں ہندی مسلط کر دیں گے، اس ذہنیت کے جو نتائج مختلف ریاستوں خصوصاً مشرقی پنجاب میں نکل رہے ہیں، وہ سب کے سامنے ہیں، جنوبی ہند کا علاقہ ابتدا سے ہندی کے تسلط کے خلاف ہے، اب اس میں اور شدت بلکہ انتہا پسندی پیدا ہو گئی ہے، چنانچہ حال ہی میں وہاں کے تیس ممتاز لیڈروں کا ایک طویل بیان نکلا ہے، جس میں شری راج گوپال اچاریہ، ڈاکٹر

سی پی راما سوامی آئیر، مسٹر کے سرنیواس اڈیٹر اخبار ہندو اور مسٹر ٹی ام کرشنا سوامی آئیر سابق چیف جسٹس ٹراونکور و کوچین جیسی بڑی شخصیتیں شامل ہیں،

اس بیان میں نہ صرف ہندی کے تسلط کے خلاف احتجاج کیا گیا ہے، بلکہ سرے سے اس کو ملک کی مشترک زبان بنانے کی مخالفت کی گئی ہے، اور دستور میں ترمیم کر کے ہندی کے بجائے انگریزی کو مشترک زبان بنانے کا مطالبہ کیا گیا ہے، اگرچہ اس مطالبہ سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا، اب ہندی ملک کی مسلمہ مشترک قومی زبان ہو چکی ہے، لیکن جہانتک ہندی کے جبری تسلط اور دوسری زبانوں کی حق تلفی کا تعلق ہے، یہ بیان بالکل صحیح اور اتنا مدلل ہے کہ اسکو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا،

ہندی کی یہ مخالفت ہندی والوں کے تعصب اور تنگ نظری کا قدرتی ردعمل اور لازمی نتیجہ ہے، اگر یہ تعصب قائم رہا تو معلوم نہیں آیندہ اس کے اور کیا نتائج نکلیں، یہ اردو کا معاملہ نہیں ہے، کہ اس کو اس کے وطن سے مٹایا جا رہا ہے، اور اس کے بولنے والے زبانی احتجاج کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتے، دوسری زبان والے کسی حالت میں بھی اپنی زبان مٹنے نہ دیں گے جس کا تجربہ مشرقی پنجاب میں ہو رہا ہے، اور جنوبی ہند میں بھی اسی قسم کے واقعات پیش آنے کا اندیشہ ہے، کیونکہ وہ شمالی ہند سے زیادہ ہندی کے خلاف ہے، اگر زبان کے مسئلہ میں یہ تنگ نظری قائم رہی تو مختلف ریاستوں میں ایسی صورت حال پیدا ہو جائے گی جس کا سنبھالنا مشکل ہو جائے گا، اس لیے ہندی پرستوں کو سنجیدگی سے اس مسئلہ پر غور کرنے کی ضرورت ہے،

ہمارے صوبہ کی حکومت اردو کے معاملہ میں زبانی وعدوں کے علاوہ عملاً کچھ کرنے کے لیے تیار نہیں ہے

کم سے کم مرکزی حکومت کو توان واقعات سے سبق لینا چاہیے، اب تو ہندوستان میں کئی ریاستیں دو لسانی ہوگئی ہیں، اس کے بعد اردو کے علاقائی زبان ماننے میں کیا عذر رہ جاتا ہے، یا یہ سمجھ لیا جائے کہ حکومت بھی عدل و انصاف کے بجائے محض طاقت کی پرستار ہے۔

تقسیم ہند کے سلسلہ میں مشرقی پنجاب کے مسلمانوں پر جو تباہی آئی اس سے ہر شخص واقف ہے، جہاں لاکھوں مسلمان آباد تھے، وہاں اب ان کی آبادی برائے نام رہ گئی، ان کی ساری املاک ان کے قبضہ سے نکل گئی، مگر وہ ایک ایسا بحرانی دور تھا جس میں حکومت بھی بے بس تھی، مگر وہ دور عرصہ ہوا ختم ہو چکا، اس لیے جو مسلمان وہاں باقی رہ گئے ہیں، انکی املاک ان کو واپس مل جانا چاہیے تھا، مگر ادارۂ اسلامی پانی پت کرنال کی ایک درخواست سے جو مشرقی پنجاب کے وزیر اعلیٰ کے نام دی گئی ہے اور جس پر مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، مولانا محمد میاں مرادآبادی اور مولانا لقاء اللہ صاحب عثمانی، جیسی ممتاز شخصیتوں کے دستخط ہیں، یہ معلوم کرکے تعجب ہوا کہ مشرقی پنجاب کے مسلمان اب تک بے خانماں ہیں، انکی املاک، ان کے اوقاف، مساجد، خانقاہوں، درسگاہوں اور مدرسوں تک پر کسٹوڈین کا قبضہ ہے، اور ان سے ایسا مصرف لیا جاتا ہے، جن سے ان کی بے حرمتی ہوتی ہے، اور بار بار توجہ دلانے کے باوجود اس کی کوئی شنوائی نہیں ہوئی، اب جبکہ بحرانی دور ختم ہوئے عرصہ ہو چکا، ہر چیز حکومت کے قبضہ و اقتدار میں آچکی ہے، مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کی یہ خانہ خرابی، املاک سے ان کی محرومی، متبرک مقامات کی بے حرمتی، ایک جمہوری حکومت کے لیے شرمناک ہے، اس سے اس کی سیکلرزم بدنام ہوتی ہے، اس لیے صوبائی اور مرکزی دونوں حکومتوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کی شکایتوں کو دور کرکے ان کو مطمئن کریں۔

مقالات

ابن الجزری

از جناب مولانا محمد عبد العلیم چشتی فاضل دیوبند

نام و نسب | محمد نام، ابو الخیر کنیت، شمس الدین لقب اور ابن الجزری[1] عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے:

محمد بن محمد بن محمد بن علی بن یوسف الجزری (العمری الدمشقی ثم الشیرازی)

ولادت | آپ کی ولادت کا واقعہ بھی نہایت دلچسپ ہے،

آپ کے والد تاجر تھے، جن کو شادی کیے ہوئے چالیس برس گزر چکے تھے، مگر کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی، بسلسلۂ حج مکہ معظمہ پہنچے، خانۂ کعبہ کا طواف کیا، چاہ زمزم پر گئے، آب زمزم پیا، ہاتھ اٹھا کر دعا کی، بار الہا! نیک اولاد عطا فرما! دل سے دعا نکلی، عرش

---

[1] محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی المتوفی ۹۰۲ھ نے الضوء اللامع (جلد ۹ ص ۲۵۵) میں اور سید مرتضیٰ زبیدی المتوفی ۱۲۰۵ھ نے تاج العروس (مادہ جزر) میں تصریح کی ہے کہ جزری جزیرۂ (عبد العزیز) ابن عمر کی طرف نسبت ہے جو موصل کے قریب واقع ہے،

یاقوت الحموی المشترک وضعا و المفترق صقعاً (طبع گوٹنگن جرمنی ۱۸۴۶ء ص ۱۰۲) میں رقمطراز ہیں، "جزیرۂ ابن عمر ایک چھوٹا سا شہر ہے جو موصل کے شمال میں واقع ہے، اور اسکو دجلہ ہر سہ سمت سے بصورت ہلال محیط ہے اور بڑی مردم خیز بستی ہے۔"

تک پہنچی، بارگاہ الٰہی سے شرف قبول عطا ہوا، اور شب شنبہ ۲۵[1] رمضان المبارک ۷۵۱ھ میں دمشق کے مشہور محلہ قصاعین میں ابن الجزریؒ کی ولادت ہوئی، یہی بچہ آگے چل کر عالم اسلام اور فاضل لوذعی، فخر علمائے دین اور مسند المحدثین بنا۔

حلیہ | ابن الجزریؒ کے تذکرہ نگاروں نے آپ کے خط و خال کی تفصیل نہیں لکھی ہے، لیکن اس امر کی سب نے تصریح کی ہے کہ آپ نہایت حسین اور بڑے جمیل و شکیل تھے، تقی الدین احمد المقریزی ۸۴۵ھ العقود الفریدہ فی تراجم الاعیان المفیدہ میں لکھتے ہیں،

کان شکلا حسنا فصیحا بلیغا[2] — آپ نہایت جمیل و شکیل اور فصیح و بلیغ انسان تھے،

حافظ ابن حجر عسقلانی انباء الغمر فی ابناء العمر میں رقمطراز ہیں

انه کان ثریا وشکلا حسنا[3] — آپ بڑے دولتمند اور نہایت حسین و جمیل تھے،

---

[1] مولانا عبد الحی فرنگی محلی المتوفی ۱۳۰۴ھ نے الحصن الحصین (مطبع یوسفی لکھنؤ ۱۳۲۰ھ ص ۲۵۱) میں مؤرخ مجیر الدین الحنبلی کی تاریخ "الانس الجلیل فی تاریخ القدس والخلیل" کے حوالہ سے جو عرصہ ہوا مصر سے شائع ہو چکی ہے، آپ کی تاریخ ولادت ۱۶ رمضان ۷۵۱ھ لکھی ہے جو صحیح نہیں،

غایۃ النہایہ (مطبعۃ السعادہ قاہرہ ۱۳۵۱ھ ج ۲ ص ۲۴۷) میں ابن الجزریؒ کے ایک تلمیذ نے خود ابن الجزریؒ سے آپ کی تاریخ ولادت آپ کے والد کی زبانی ان الفاظ میں نقل کی ہے۔

ولد فیما حققه نفسه من لفظ والده — موصوف نے اپنے والد کے الفاظ میں

فی لیلة السبت الخامس والعشرین من — اپنی تاریخ ولادت شب شنبہ ۲۵ رمضان المبارک

شهر رمضان سنة احدی وخمسین وسبعمائة — ۷۵۱ھ لکھی ہے،

[2] ملاحظہ ہو درر العقود الفریدہ بحوالہ الضوء اللامع طبع قاہرہ ۱۳۵۴ھ ج ۸ ص ۲۶۰

[3] انباء الغمر بحوالہ الضوء اللامع ج ۸ ص ۲۵۹

تعلیم و تربیت | آٹھویں اور نویں صدی ہجری میں دمشق علوم و فنون کا مرکز تھا، آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت یہیں ہوئی، بچپن میں قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا، بارہ سال کی عمر ۷۶۴ھ میں پورا قرآن حفظ کر لیا اور ہر سال تراویح میں سناتے تھے،

فقہ شافعیہ کی پانچ مشہور اور متداول کتابوں میں سے فقیہ ابو اسحٰق ابراہیم الشیرازی المتوفی ۴۷۶ھ کی مشہور تالیف التنبیہ کو حفظ کیا،

قرأت کی تحصیل و تکمیل | سات مشہور قرأتوں میں علامہ ابو عمرو عثمان الدانی المتوفی ۴۴۴ھ کی مشہور کتاب التیسیر اور ابو محمد قاسم الشاطبی المتوفی ۵۹۰ھ کی حرز الامانی و وجہ التہانی (جو شاطبیہ کے نام سے زیادہ مشہور ہے) شیخ تقی الدین عبد الرحمٰن بن احمد البغدادی[1] المتوفی ۷۸۱ھ وغیرہ سے پڑھیں، قرأۃ سبع کی مشق احمد بن الحسین الکفری[2] المتوفی ۷۷۱ھ سے کی، شیخ القراء محمد بن احمد ابن اللبان[3] المتوفی ۷۷۶ھ سے کتابیں بھی پڑھیں اور قرأتوں کا اجراء بھی کیا، شیخ عبد الوہاب بن یوسف ابن السلار[4] المتوفی ۷۸۲ھ اور شیخ احمد بن رجب البغدادی[5] المتوفی ۷۷۴ھ سے ۷۶۶ھ و ۷۶۷ھ میں چودہ قرأتوں کی علیحدہ علیحدہ مشق کی، ۷۶۸ھ میں شیخ ابن اللبان کو تمام قرأتوں کے ساتھ پورا قرآن سنایا، ان کے علاوہ اور بھی بہت سے نامور قراء سے استفادہ کیا اور سند لی ہے،

ہر چند دمشق اس دور میں علوم و فنون کا مرکز بنا ہوا تھا، مگر آپ کا سمند شوق اس پر کیوں کر

---

[1] حالات کے لیے ملاحظہ ہو الدرر الکامنہ از ابن حجر عسقلانی طبع اول دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۴۹ھ ج ۲ ص ۳۲۳ و شذرات الذہب ابن العماد طبع قاہرہ ۱۳۵۱ھ ج ۶ ص ۲۷۱ [2] حالات کے لیے ملاحظہ ہو الدرر الکامنہ ج ۱ ص ۱۲۵ [3] حالات کے لیے ملاحظہ ہو الدرر الکامنہ طبع دوم ۱۳۸۳ھ ج ۳ ص ۳۰۰ و شذرات الذہب ج ۶ ص ۲۴۲ [4] حالات کے لیے ملاحظہ ہو الدرر الکامنہ ج ۳ ص ۴۳۱ و شذرات الذہب ج ۶ ص ۲۷۵ [5] ایضاً ج ۱ ص ۱۳۰ و ج ۶ ص ۲۳۰

فارغ ہو سکتا تھا، چنانچہ ۷۶۸ھ میں جب کاروان عمر انیسویں منزل طے کر رہا تھا آپ تکمیل علوم کے لیے وطن سے نکلے، پہلے حج کیا اور پھر بلاد اسلامیہ قاہرہ، اسکندریہ، بعلبک وغیرہ میں ارباب کمال سے بہ تمام و کمال اس فن کو حاصل کیا،

فقہ کی تحصیل | فقہ کی تحصیل جمال الدین عبد الرحیم الاسنوی المتوفی ۷۷۲ھ[1]، عمر بن رسلان المتوفی ۸۰۵ھ[2] اور ابو البقا عبد الوہاب السبکی المتوفی ۷۷۱ھ[3] جیسے نامور فقہا سے کی،

اصول فقہ اور معانی و بیان کی تعلیم | اصول فقہ اور معانی و بیان کی تعلیم علامۃ الدہر عبد اللہ بن سعد الدین الضیاء القرمی المتوفی ۷۸۰ھ[4] اور دیگر ارباب فضل و کمال سے پائی تھی،

تحصیل حدیث | شیخ ابو الثنا محمود بن خلیفہ المتوفی ۷۶۷ھ[5]، بہاء الدین عبد اللہ بن ابی بکر المتوفی ۷۴۹ھ[6]، شہاب الدین احمد بن عبد الکریم الحنبلی المتوفی ۷۷۶ھ[7]، شمس الدین محمد ابن المحب المقدسی المتوفی ۷۸۹ھ اور ابن کثیر الدمشقی جیسے حفاظ حدیث سے حدیث کا درس لیا،

فخر الدین البخاری المتوفی ۶۹۰ھ، حافظ شرف الدین عبد المومن الدمیاطی المتوفی ۷۰۵ھ اور شیخ شہاب الدین احمد بن رفیع الابرقوہی المتوفی ۷۰۱ھ کے نامور تلامذہ سے حدیث کا سماع کیا، حافظ الحدیث عمر بن الحسن ابن امیلۃ المراغی المتوفی ۷۷۸ھ[9] سے سنن ابو داؤد، جامع ترمذی

---

[1] حالات کے لیے ملاحظہ ہو الدرر الکامنہ ج ۲ ص ۳۵۴ و شذرات الذہب ج ۶ ص ۲۲۳ و البدر الطالع ج ۱ ص ۳۵۲
[2] حالات کے لیے ملاحظہ ہو لحظ الالحاظ بذیل طبقات الحفاظ از ابن فہد طبع دمشق ص ۲۰۶ و شذرات الذہب ج ۷ ص ۵۱ والبدر الطالع ج ۱ ص ۵۰۶ [3] حالات کے لیے ملاحظہ ہو الدرر الکامنہ ج ۲ ص ۴۲۵ و شذرات ج ۶ ص ۲۲۱ و البدر الطالع ج ۱ ص ۴۱۰ [4] حالات کے لیے ملاحظہ ہو الدرر الکامنہ ج ۲ ص ۲۶۰ و البدر الطالع ج ۱ ص ۳۰۰ [5] الدرر الکامنہ ج ۴ ص ۳۲۳ [6] ایضاً ج ۲ ص ۳۵۱ [7] ایضاً ج ۱ ص ۱۷۶ [8] ذیل طبقات الحفاظ: سیوطی طبع دمشق ص ۳۶۲ و شذرات الذہب ج ۶ ص ۳۰۹ [9] النجوم الزاہرہ طبع دار الکتب المصریہ قاہرہ ج ۱۱ ص ۱۴۴،

اور امالی ابن شمعون (ابو الحسن محمد بن احمد) کا سماع کیا، اور شیخ صلاح الدین محمد بن احمد الحنبلی المتوفی ۷۸۰ھ جیسے نامور ائمہ فن سے طبرانی کی المعجم الکبیر اور مسند احمد پڑھیں، مسند احمد کو آپ نے سات برس میں پڑھا تھا، جس کی وجہ نسخہ مسند کی کمیابی تھی، فرماتے ہیں،

سببہ ان نسخۃ اصل سماعہ کانت بخط الحافظ الضیاء رحمہ اللہ تعالیٰ فوجد بعضہا وکان شیخنا الحافظ الکبیر شمس الدین ابو بکر بن المحب یحرضنا علی سماع المسند منہ ویقول لا تشکوا فی انہ سمعہ کاملا علی ابن البخاری فبادروا الی سماعہ کاملا فکنا نقرؤہ من نسخۃ وقف البلدرانیۃ لوضوحہا وکان بعض المحدثین قد احتاط علیہا ولا یعطی منہا شیئاً الا بعد تعب کثیر فطالت المدۃ لنا لذلک[1]

اس کا سبب یہ تھا کہ شیخ صلاح الدین کا اصل سماع والا نسخہ حافظ الحدیث ضیاء الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد الواحد المقدسی کا لکھا ہوا تھا، اس کا کچھ حصہ ملا تھا، ہمارے شیخ حافظ ابو بکر ابن المحب، شیخ صلاح الدین سے سماع مسند کی بڑی ترغیب دیتے اور فرماتے تھے، اس میں شک نہ کرو، شیخ نے پوری مسند فخر ابن البخاریؒ سے سنی ہے تم بھی پوری مسند کے سماع میں جلدی کرو، ہم چونکہ مدرسہ بلدرانیت کے وقف شدہ نسخہ سے پڑھتے تھے، جو نہایت صاف اور بہت روشن خط تھا، بعض محدثین اس نسخہ کی بڑی حفاظت کرتے تھے جو جز بھی ملتا تھا وہ بڑی دشواری سے ملتا، اسی لیے اتنی مدت ہوئی، آپ کو شیخ سے اس نسخہ کی جلد ثانی پڑھنے کے زمانہ میں نہیں مل سکی تھی، مگر شیخ سے اس کی اجازت حاصل تھی،

---

[1] المصعد الاحمد فی ختم مسند احمد ص ۵۰ و شذرات الذہب ج ۶ ص ۲۶۷ [2] المصعد الاحمد فی ختم مسند احمد (۵۱) از ابن الجزری، یہ دار الکتب المصریہ سے مسند احمد بشرح احمد محمد شاکر کی پہلی جلد کے ساتھ شائع ہو گئی ہے،

شیخ صلاح الدین کی وفات سے قبل حافظ ضیاء الدین کے خط کی بقیہ جلدیں بھی مل گئیں جن میں شیخ نے سماع کیا تھا، تو ہمارے استاد شیخ ابن المحب نے فرمایا "کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ موصوف نے پوری مسند کا سماع کیا ہے"۔

اسی طرح شیخ صلاح الدین کی وفات کے بعد حافظ ضیاء الدینؒ کے قلم کا لکھا ہوا "تتمہ" المسند ملا، ابن الجزری کا بیان ہے اس نسخہ میں شیخ موصوف کے سماع کی تصریح تھی، طلبۂ حدیث اس سے بہت خوش ہوئے، اور ہم نے اپنے شیخ ابوبکر ابن المحبؒ سے پوچھا، ہم روایت حدیث کے وقت اس کے لیے اجازت کا لفظ استعمال کر سکتے ہیں، اگرچہ اس کا سماع نہیں ہو سکا ہے، مگر شیخ کا سماع پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے۔ فرمایا، اس میں سماع کی احتیاج نہیں، ایسا ہی واقعہ شیخ ابوزرعہ طاہر بن ابی محمد المقدسی کو سنن ابن ماجہ کے سلسلہ میں پیش آیا تھا، اس وقت معتبر حفاظ حدیث نے یہی فتوی دیا تھا، کہ اس میں سماع کی حاجت نہیں، کیونکہ یہ شیخ کی اجازت عامہ میں داخل ہے۔

اس مدت میں ابن الجزری نے شیخ صلاح الدینؒ سے حدیث اس طرح سے پڑھی تھی کہ ان کی مرویات اور مسموعات میں سے کچھ نہیں چھوڑا تھا، فرماتے ہیں،

فلم اترك من مسموعاته فيما	میں نے اپنے علم کے مطابق شیخ موصوف
علمت الا قرأته عليه او سمعته	کی مسموعات اور مرویات میں سے کچھ نہیں
منه۔[1]	چھوڑا جس کو آپ سے پڑھا یا سنا نہ ہو،

ان محدثین کے علاوہ اس عہد کے تمام نامور محدثین اور اکابر علماء کا علم آپ نے اپنے دامن میں سمیٹ لیا تھا، طاش کبری زادہ لکھتا ہے:

سمع الحديث من جماعة[2]	محدثین کی ایک بڑی جماعت سے حدیث کا سماع کیا،

[1] المصعد الاحمد ص ۱۸ [2] الشقائق النعمانیہ برحاشیہ وفیات الاعیان لابن خلکان مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۳۹

ابن الجزریؒ کا اصل فن قرأت تھا، اس میں اگرچہ عنفوان شباب ہی میں کمال پیدا کر لیا تھا، مگر اس سے شغف اور انہماک کسی طرح کم نہ ہوتا تھا، بعض جوہر شناس اساتذہ نے آپ کا یہ شغف دیکھ کر فرمایا، بلاشبہ علم قرأت سے شغف بھی اچھا ہے، مگر یہ علم بڑی محنت چاہتا ہے، اس لیے اس سے فائدہ اٹھانے والے تھوڑے ہوتے ہیں، تمھیں اس سے نافع تر علوم سے شغف رکھنا چاہیے، اس وقت آپ نے حدیث کی طرف توجہ کی اور سندوں کے ساتھ ایک لاکھ حدیثیں یاد کر لیں، علامہ شمس الدین الدیریؒ کا بیان ہے،

ان سبب اشتغاله بالحديث	فن قرأت سے انہماک اور شغف کے بعد علم حدیث
بعد ان كان مكبا على علم القراءات	سے اشتغال اور دلچسپی پیدا ہونے کا سبب یہ ہوا کہ
ان بعض اشياخه قال له ذات	آپ کے شیوخ میں سے کسی نے ایک دن آپ سے
يوم ان علم القراءات كثير التعب	یہ فرمایا، قرأت کا فن کثیر المشقت اور قلیل
قليل الجدوى وانت ذهنك	المنفعت ہے، تم، تمھارا ذہن ماشاء اللہ
رائق وفهمك فائق ومن كان	اچھا ہے تمھاری سمجھ خوب ہے، اور جو شخص ایسا ہو
هكذا فعليه بعلم الحديث فاجتهد	اسے تو علم حدیث پر محنت کرنا چاہیے، چنانچہ
فيه حتى حفظ مائة الف حديث	آپ نے اس فن میں محنت کی اور ایک لاکھ حدیثیں
باسانيدها[2]	سندوں کے ساتھ یاد کر لیں،

افتاء اور تدریس کی اجازت

اس ذوق و شوق اور محنت نے آپ کو اپنے شیوخ کی نظروں میں

[1] ہمارا خیال ہے کہ اس سے مراد شیخ ابوبکر بن المحب ہیں، کیونکہ آپ ہی نے موصوف کو شیخ صلاح الدین سے مسند احمد کے سماع پر ترغیب اور تحریض دلائی تھی [2] ملاحظہ ہو فہرس الفہارس، تالیف عبدالحی الادریسی الکتانی، طبع فاس ۱۳۴۶ھ ج ۱ ص ۲۲۳

جلد ہی اس قابل بنا دیا تھا کہ انھوں نے آپ کو درس و تدریس، افتاء اور تحدیث (روایت حدیث) کی اجازت دیدی تھی، چنانچہ ۷۷۴ھ میں عماد الدین ابن کثیر، ۷۷۸ھ میں ضیاء القرمی اور ۷۸۵ھ میں شیخ الاسلام البلقینیؒ نے تدریس اور افتاء کی اجازت دی تھی، ان کے علاوہ اور ارباب فضل و کمال سے بھی آپ کو اجازت حاصل ہے، مورخ سخاوی کا بیان ہے،

اذن لہ غیر واحد بالافتاء والتدریس والاقراء[1] — آپ کو بہت سے علماء سے فتوی دینے، پڑھانے اور قرائتیں سکھانے کی اجازت حاصل ہو،

تحصیل علم کی فطری صلاحیت و استعداد، شفیق استاذوں کی صحبت اور تربیت نے آپ کو جلد ہی مسند علم پر بٹھا دیا،

درس و تدریس — تحصیل علوم کے بعد آپنے درس و تدریس کا شغل اختیار کیا جس کی تفصیل مورخ سخاوی نے اس طرح کی ہے.

"چند سال آپنے دمشق کے اندر جامع بنی امیہ میں قبۂ نسرین کے نیچے بیٹھکر قرأتوں کی تعلیم دی، پھر دار العلوم عادلیہ کے شیخ القرا مقرر ہوئے، اس کے بعد دار الحدیث اشرفیہ میں شیخ القرا رہے، پھر اپنے شیخ ابن السلار کی وفات کے بعد تربۃ ام الصالح کے شیخ القرا ہو گئے، یہاں آپنے ائمۂ فن کی موجودگی میں درس دیا، اور شیخ شہاب الدین بن حجی (جیسے نامور علماء) نے اس امر کا اعتراف کیا کہ آپ کا درس نہایت شاندار ہوتا ہے"[2]

یہاں آپ نے ایک مدرسہ دار القرآن کے نام بھی کھولا تھا،

خطابت — ان ہی ایام میں الملک الظاہر سیف الدین برقوق المتوفی ۸۰۱ھ نے جو ایک دیندار نیک نفس بادشاہ تھا، آپ کو جامع توبہ کا خطیب مقرر کیا،

[1] الضوء اللامع ج ۸ ص ۲۵۶ [2] ایضاً کتاب مذکور

۷۹۵ھ میں الجامعۃ الصلاحیۃ (بیت المقدس) میں امور تعلیمی کے ناظم مقرر ہوئے،

عہدۂ قضاء — امیر شام قطلبک استاددار تنمش نے ۷۹۷ھ میں مملکت شام کا عہدۂ قضا آپکے سپرد کیا، لیکن اوقاف کے حسابات درست نہ ہونے کے باعث امیر التنمش ناراض ہو گیا اور آپ پر تاوان و سختی کی گئی، سارا مال و اسباب ضبط کر لیا گیا، ان کے مظالم سے تنگ آکر آپ اسکندریہ سے براہ دریا روم پہنچے اور روم کے پایۂ تخت بروصہ میں اترے،

بروصہ میں قیام، علم حدیث اور قرأت کی اشاعت — یہاں شاہ بروصہ ابویزید بن عثمان سے ملاقات ہوئی، یہ خود عالم اور اہل علم کا بڑا قدردان تھا، آپ کا شہرہ پہلے سے سن چکا تھا، بڑی تعظیم و تکریم سے پیش آیا، از راہ قدردانی اپنے ہی پاس ٹھہرایا، اور تازندگی بروصہ نہ چھوڑنے دیا،

خدا نے ابن الجزریؒ کو جس فیاضی کے ساتھ علم کی دولت عطا کی تھی، اسی فیاضی کے ساتھ آپنے اسے تقسیم کیا، بروصہ میں بھی آپنے حدیث اور قرأتوں کا درس دیا، خود حاکم بروصہ ابویزید بن عثمان نے آپسے دس قرأتوں کی تکمیل کی، اہل بروصہ نے بھی اس موقعہ سے خوب فائدہ اٹھایا، اور ایک جماعت نے عشرہ کی آپسے مشق کی اور سند لی،

یہاں آپ کی ذات سے حدیث اور قرأتوں کی اشاعت کا سلسلہ کم و بیش سات برس تک قائم رہا ہے، تیمور لنگ جب سلطان بایزید بن عثمان سے نبرد آزما ہوا اور اس کو شکست دے کر اس کے قلمرو پر قابض ہو گیا اور اسے حراست میں لے لیا،[1] تو بروصہ کے بعض اہل علم نے یہاں قیام کرنا مناسب نہ سمجھا، اور بروصہ سے نکل جانا چاہا، ان ہی میں ابن الجزریؒ بھی تھے. مگر شیخ نور الدین نے آپ کو پکڑ کر تیمور کے پاس پہنچا دیا، غیاث الدین المعروف بہ خواند امیر

[1] اسی واقعہ کے چند ماہ بعد آق (شہر اذ) میں ۱۴ شعبان ۸۰۵ھ میں بعارضۂ ضیق النفس بایزید بن عثمان کا انتقال ہو گیا،

حبیب السیر میں ظفرنامہ اور مطلع سعدین کے حوالہ سے ناقل ہیں،

"در ظفرنامہ و مطلع سعدین مذکور است کہ درآں آوان کہ امیر گورگان ایلدرم بایزید را اسیر گردانید مرزا محمد سلطان و امیر شیخ نورالدین را برسا فرستادہ وجمیع از اکابر آن دیار راہ فرار نمودند و لشکر ظفر شعار از عقب شتافتہ بیشتر آن مردم را گرفتند شمس الدین محمد جزری و سید محمد بخاری و مولانا شمس الدین فنادی از آنجملہ بودند، امیر شیخ نورالدین. شیخ شمس الدین محمد را ہمراہ خود بپایہ سریر اعلی بردہ در کوتاہ بشرف ملاقات صاحبقرانی خجستہ صفات رسانید و آنحضرت شیخ را منظور نظر اعتنا ساختہ بصوب سمرقند فرستادہ و آنجناب تا زمان وفات امیر تیمور در ماوراء النہر اوقات شریف می گذرانید"[1]

امیر تیمور علماء، فقرا کا عقیدتمند اور ان کی صحبت کا دلدادہ تھا، نیز ان کی زیارت کو سعادت سمجھتا تھا، جیسا کہ تزکات تیموری میں ہے:

"سادات و علماء و مشائخ و عقلاء و محدثین اخبار را برگزیدہ داشتم و تعظیم و احترام ایشان نمودم .... و با علماء صحبت داشتم و بردلہائے اصحاب قلوب رفتم و از ایشان دریوزۂ ہمت نمودہ از انفاس متبرکۂ ایشان التماس فاتحہ کردم"[2]

اسی عقیدت مندی کی بنا پر امیر تیمور آپ کو اپنے ساتھ ماوراء النہر لے گیا، اور دو چار ہی صحبتوں میں وہ آپ کی بزرگی کا قائل ہوگیا، اس کی گرویدگی کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے

---

[1] حبیب السیر، طبع اول، مطبع احمدی بمبئی ۱۲۷۳ھ ج ۳ ص ۹۰ [2] ملاحظہ ہو تزکات تیموری طبع آکسفورڈ لندن ۱۷۸۳ء ص ۱۹۴

جو طاش کبری زادہ نے الشقائق النعمانیہ میں آپکے فرزند ابوالخیر محمد الجزری کے تذکرہ میں نقل کیا ہے کہ تیمور لنگ جب سمرقند پہنچا تو اس نے ایک نہایت عظیم الشان دعوت ولیمہ منعقد کی[1]، جس میں اعیان مملکت اور عمائد سلطنت، علماء، فقراء سب کو مدعو کیا، دعوت میں صفوف کی ترتیب ہمیشہ حلقہ نما ہوتی تھی، علماء، اور فضلاء کو حسب مراتب دائیں جانب اور امرا کو بائیں جانب بٹھایا جاتا تھا،

اس دعوت میں محقق سید شریف جرجانی المتوفی ۸۱۶ھ بھی مدعو تھے، امیر تیمور نے انھیں ابن الجزری کے پیچھے بٹھایا، حاضرین مجلس میں سے کسی نے امیر تیمور سے کہا آپنے سید شریف کو ابن الجزری کے پیچھے کیوں بٹھایا، وہ تو سب سے آگے جگہ پانے کے مستحق تھے، امیر تیمور نے فوراً یہ جواب دیا:

---

[1] طاش کبری زادہ نے نہ واقعہ کی نوعیت بیان کی ہے اور نہ کوئی تفصیل لکھی ہے، بلکہ صرف اتنا لکھنے پر اکتفا کیا ہے

لما ذھب بہ الامیر تیمور الی ماوراء النہر — امیر تیمور جب آپ کو ماوراء النہر لے گیا تو وہاں

اتخذ الامیر تیمور ھناک ولیمۃ عظیمۃ — اس نے ایک عظیم الشان دعوت ولیمہ کی،

محمد بن خاوند شاہ ہروی کا وقائع نگار قلم واقعہ مذکور کی تفصیل اس طرح کرتا ہے،

در آں زماں محمود بر حسب اشارت عالی سادات و قضاۃ و علماء و ارباب درس و فتوی بمجلس ہمایوں حاضر آمدند و مرزا الغ بیگ امیرزادہ ابراہیم و سلطان مرزا میران شاہ و از اولاد امیرزادہ عمر شیخ امیرزادہ احمد و سیدی احمد و شاہزادہ بایقرا ہر یک را کریمۂ از کرائم خاندان سلطنت و دودمان مملکت بآئین شرع مطہر عقد بستہ در آن محفل جنت مثال امام الائمہ ستودہ خصال شیخ شمس الدین جزری بعد از رعایت شرائط عقد بقرات خطبۂ نکاح اشتغال فرمودہ و کلمۂ ایجاب قبول بقاضی قضاۃ تمریزی مولانا صلاح الدین متعلق بود نیاز بیشمار و گوہر بسیار نثار کردند (روضۃ الصفا مطبوعہ نولکشور ۱۸۷۴ء ج ۶ ص ۱۲۳۴)

ان ہی شاہزادوں کی شادی پر جو ولیمہ ہوا، اسی مجلس کا یہ واقعہ ہے،

ابن الجزری کا درجہ تیمور کی نظر میں

كيف لا اقدم
رجلا عارفا بالكتاب والسنة
ويشاور ما اشكل عليه منهما
النبي صلى الله عليه وسلم بالذات
فيحل له[1]

میں بھلا ایسے شخص کو آگے کیونکر جگہ نہ دوں جو
کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا عالم ہو اور جب
اسے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں کوئی
اشکال درپیش آتا ہو تو وہ اس کا براہ راست
بارگاہ رسالت سے حل کر لیتا ہو،

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ امیر تیمور کی نظر میں موصوف کا کیا مقام تھا، یہی وجہ تھی کہ اس نے تاحیات آپ کو نہ چھوڑا، ۸۰۷ھ میں جب تیمور لنگ کا انتقال ہوا تو آپ خراسان چلے گئے، اور ہرات، یزد اور اصفہان ہوتے ہوئے رمضان المبارک ۸۰۸ھ میں شیراز پہنچے

شیراز کا عہدۂ قضا

یہاں پیر محمد حاکم شیراز نے مملکت شیراز میں قاضی القضاۃ کے عہدہ پر آپ کا تقرر کر دیا، جسے آپ نے مجبوراً قبول کیا، اور نہایت خوش اسلوبی سے عرصۂ دراز تک اپنے فرائض منصبی کو انجام دیتے رہے، یہاں بھی آپ نے حدیث اور قرأت کی تعلیم کا ایک مدرسہ کھولا،

[1] الشقائق النعمانیہ ج ۱ ص ۴۷ - یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ امیر تیمور محقق سید شریف جرجانیؒ کے علمی مقام سے آگاہ اور آپ کا بڑا قدر دان تھا، سید شریفؒ نے تیمور کو اس دور کا مجدد قرار دیا تھا اور اس مضمون کا ایک خط بھی اس کو بھیجا تھا، جیسا کہ تزکات تیموری میں ہے:

"امیر سید شریف کہ از فحول علمائے زمان بود دریں باب مکتوبے بمن نوشت کہ اتفاق علمائے سلف و خلف بریں رفتہ کہ در سر ہر صد سال از حضرت رسالت پناہ اللہ تعالیٰ برائے رواج دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم مجددے می انگیزد و چوں دریں سر صد ہشتم امیر صاحبقران دین متین را رواج دادہ اند در اقطار و امصار عالم دین و اسلام رواج یافتہ بتحقیق، سید کہ مروج دین امیر صاحبقران است" (ص ۱۶۸)

اس کے بعد وہ اصل مکتوب درج کیا ہے،

جن میں بعض نے سبعہ قرأتوں کی اور بعض نے عشرہ کی تکمیل کی اور سند لی، اہل شیراز کو آپ سے بڑا فیض پہنچا، مورخ سخاوی کا بیان ہے،

نشر بها ايضا القرأت والحديث
وانتفعوا به[1]

شیراز میں بھی آپ کی ذات سے حدیث اور قرأتوں کی بڑی
اشاعت ہوئی، اہل شیراز کو آپ سے بڑا فیض پہنچا،

درس و تدریس کا یہ سلسلہ ۸۲۲ھ تک برابر قائم رہا، یہاں آپ نے امام اعظم کے لقب سے شہرت پائی، مگر کچھ دنوں کے بعد کسی وجہ سے حاکم وقت کی نگاہیں بدل گئیں

حج کی روانگی

اس لیے ۸۲۲ھ میں آپ براہ بصرہ حج کے لیے روانہ ہوگئے، سوء اتفاق سے راستہ میں ڈاکوؤں نے ایسا لوٹا کہ کچھ نہ چھوڑا، اور حج بھی فوت ہوگیا، چار و ناچار ینبع[2] میں قیام کرنا پڑا، ربیع الاول میں مدینہ منورہ پہنچکر حدیث کا درس دیا، پھر مکہ معظمہ گئے اور فریضۂ حج ادا کر کے حرم ہی قیام فرمایا،[3] اور اسی سال اپنی دو بیویوں کے ہمراہ بلاد عجم کی سیر و سیاحت کے لیے نکلے اور دمشق ہوتے ہوئے قاہرہ تشریف لائے، یہاں کے حاکم السلطان الاشرف نے آپ کی بڑی تعظیم و توقیر کی کم و بیش سولہ دن قیام رہا، مگر قاریوں کا اتنا ازدحام تھا کہ آپ صرف ایک آیت تلاوت فرماتے تھے، پھر سب اس کو لوٹاتے تھے، طاش کبری زادہ کا بیان ہے،

ان الشيخ شمس الدين الجزري
لما قدم القاهرة وازدحمت
عليه خلق لم يتسع وقته
لقرأة الجميع وكان يقرأ عليهم

شیخ شمس الدین الجزریؒ جب قاہرہ آئے تو
قاریوں کا بڑا ازدحام تھا، اور آپ کے پاس سب کیلئے
قرأت کا وقت نہ تھا، اس لیے آپ انھیں ایک
ایک آیت پڑھ کر سناتے اور پھر

[1] الضوء اللامع ج ۹ ص ۲۵۷ [2] مدینہ منورہ کی قدیم بندرگاہ [3] مورخ ابن العماد کا بیان ہے کہ آپ حج کر کے چلے گئے تھے، یہاں تجارت کی پھر ۸۲۶ھ میں حج کے لیے روانہ ہوئے،

الآية ثم يعيد ويقرأها عليه	وہ سب مل کر ان کو لوٹاتے تھے۔
دفعة فلم يكتف يقرأته [۱]	. . . .

حافظ ابن حجر عسقلانی انباء الغمر میں لکھتے ہیں،

لما قدم القاهرة انثال الناس	جب آپ قاہرہ آئے تو لوگ سماع حدیث
للسماع عليه والقرأة وكان	اور قرأتوں کی تعلیم کے واسطے آپ پر ٹوٹے
قد ثقل سمعه قليلاً ولكن بصره	پڑتے تھے، اس وقت سماعت میں کچھ
صحيح يكتب الخط الدقيق على	فرق آگیا تھا لیکن بینائی بالکل درست تھی
عادته [۲]	چنانچہ آپ اپنی دیرینہ عادت کے مطابق نہایت

یہاں آپ نے مسند احمدؒ اور مسند شافعیؒ وغیرہ کا درس دیا، ابن العماد کا بیان ہے

حدث بالقاهرة بمسند احمد	قاہرہ میں آپ نے مسند احمد اور مسند شافعی وغیرہ
ومسند الشافعي وغير ذلك [۳]	کو اپنی سند سے روایت کیا تھا،

یہاں سے آپ پھر یمن ہوتے ہوئے حج کو روانہ ہو گئے، یمن میں آپ کی کتاب الحصن الحصین کا بڑا رواج تھا، اہل یمن اس کی روایت میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش

---

[۱] مفتاح السعادہ طبع اول دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۲۹ھ ج ۲ ص ۲۶۰ - ابن الجزریؒ نے اپنی قرأت پر اکتفا نہیں کیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ قاری کو اپنے استاذ سے اجراء قرأت میں کم از کم کتنا پڑھنا ضروری ہے، یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے، چنانچہ صدر اول میں محض دس آیتوں کا پڑھ لینا بھی کافی سمجھا جاتا تھا، مگر بعد میں شاگرد کی صلاحیت اخذ اور استعداد کا دار رہی، مگر ابن الجزریؒ نے (ان قیود کے ساتھ) اتنا اور اضافہ کیا کہ کسی ایک امام کی قرأت کی مشق میں کم از کم ایک سو بیس آیتیں پڑھنا اور متعدد ائمہ کی قرأتوں کے اجراء کی صورت میں دو سو چالیس آیتوں کا پڑھنا از بس ضروری ہے، حالانکہ کسی نے یہ تحدید نہیں کی ہے [۲] انباء الغمر بحوالہ الضوء اللامع ج ۸ ص ۲۵۹ [۳] شذرات الذہب طبع قاہرہ ۱۳۵۱ھ ج ۷ ص ۲۵

کرتے تھے، جب آپ کا ورود یہاں ہوا تو بہت سے لوگ جنھیں آپ سے اس کتاب کا سماع حاصل تھا، فوت ہو چکے تھے، ان کے بیٹے پوتوں نے آپ سے اس کا سماع کیا، کچھ دنوں زبید کی مسجد الاشاعرہ میں حدیث کا درس دیا، اور زبید کے علماء نے آپ سے حدیث کی اجازت لی، خود حاکم یمن الملک المنصور نے آپ کو صحیح مسلم سنائی اور روایت حدیث کی اجازت حاصل کی، اور زاد راہ اور انعام دیکر مکہ معظمہ پہنچایا [۱]،

یہاں بھی مسجد الحرام میں ربیع الاول ۸۲۸ھ میں مسند احمد کا درس دیا اور اسی سال دوبارہ حج کیا، پھر اپنے فرزند ابوبکر احمد الجزری کے ساتھ مصر آئے، وہ روم چلے گئے اور آپ جمادی الاخری ۸۲۹ھ میں دمشق چلے آئے، یہاں سے شام ہوتے ہوئے بصرہ گئے اور یہاں سے شیراز آ گئے،

فضل و کمال | ابن الجزریؒ دو واسطوں سے امام شاطبیؒ کے شاگرد اور نہایت عالی اسناد کے حامل تھے [۲]، آپ کا خاص اور امتیازی فن قرأت تھا، اس فن کے آپ امام تھے، مؤرخ سخاوی کا بیان ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے انباء الغمر میں آپ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

الحافظ. الامام المقری......	حافظ، امام قرأت .... آپ کو حدیث
انه لهج بطلب الحديث و...	اور قرأتوں کی تحصیل کی طرف رغبت ہوئی،

---

[۱] تحفۃ الذاکرین از علامہ شوکانی ص ۵ [۲] ابو القاسم یوسف بن علی الہذلی المعروف بابن جبارہ المتوفی ۴۶۵ھ کی معرکۃ الآراء کتاب الکامل فی القرأت الخمسین کی آپ کے پاس نہایت اعلیٰ سند تھی، حافظ ابن حجر اپنی معجم الشیوخ میں لکھتے ہیں،

ان من احسن ما عنده الكامل في	قرأتوں کی سندوں میں آپ کے پاس سب سے اعلیٰ سند
القرأت لابن جبارة	الکامل فی القرأت الخمسین لابن جبارہ کی تھی

اور پھر آپ کی پوری سند درج کی ہے (معجم الشیوخ بحوالہ الضوء اللامع ج ۸ ص ۲۵۸)

فی القراءات...... وانتهت الیه	آپ قراتوں کے فن میں مشہور ہوگئے، بلاد اسلامیہ میں
ریاسة علم القراءات فی الممالک[1]	علم القرات کی ریاست آپ پر ختم ہوگئی۔

حافظ جلال الدین سیوطی ذیل طبقات الحفاظ میں لکھتے ہیں۔

الحافظ المقرئ شیخ الاقراء فی	حافظ، قراتوں کی سند دینے والے اور اپنے
زمانه[2]	زمانہ میں قراتوں کے امام تھے،

محدث محمد بن علی الشوکانی البدر الطالع میں رقمطراز ہیں،

قد تفرد بعلم القراءات فی جمیع	آپ قراتوں کے علم میں سارے جہان سے یکتا تھے
الدنیا ونشره فی کثیر من البلاد	بہت سے ملکوں میں آپنے اسکی اشاعت کی اور آپ کے
وکان اعظم فنونه واجل ما عنده[3]	فنون میں یہ فن سب سے ممتاز اور نمایاں تھا،

اسی طرح حدیث بھی آپ کا خاص موضوع تھا، اور علوم حدیث میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا، ایک لاکھ حدیثیں سندوں کے ساتھ حفظ تھیں، حفظ حدیث میں روایات کی کثرت سے زیادہ ان کی کیفیت اور نوعیت معیار کمال ہے، اس اعتبار سے بھی آپ کا پایہ نہایت بلند ہے، محدث طاؤسی[4] لکھتے ہیں:

انه تفرد بعلو الروایة وحفظ	وہ علوئے روایت، حفظ احادیث، جرح و
الاحادیث والجرح والتعدیل	تعدیل، متقدمین اور متاخرین رواۃ کی

[1] انباء الغمر بحوالہ الضوء اللامع ج ۸ ص ۲۵۹ [2] ذیل طبقات الحفاظ للذہبی طبع دمشق ۱۳۴۷ھ ص ۳۷۷
[3] البدر الطالع طبع قاہرہ ۱۳۴۸ھ ج ۲ ص ۲۵۱ [4] طاؤسی سے مراد شہاب الدین ابو العباس احمد الطاؤسی ہیں، جو محدث عبد اللہ بن عبد القادر المتوفی ۸۳۳ھ کے نامور فرزند اور محقق سید شریف جرجانی اور ابن الجزری کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، مزید حالات کے لیے ملاحظہ ہو الضوء اللامع سخاوی۔

ومعرفة الرواة المتقدمین	معرفت میں یکتائے روزگار تھے، صحیحین، سنن ابی داؤد،
والمتاخرین یعنی بالنسبة[1]	نسائی، ابن ماجہ، مسند دارمی، مسند امام شافعی
الی تلك النواحی واورد	اور موطا امام مالک کی سندوں کو بطریق یحییٰ
اسانیده بالصحیحین وابی داود	ابن یحییٰ، ابو مصعب، القعنبی اور ابن بکیر
والنسائی وابن ماجه وبمسانید	روایت کرتے تھے، مصنفات بغوی
الدارمی والشافعی واحمد	اور نووی کو بھی بسند بیان کرتے تھے،
وبموطا مالك عن طریق یحیی	جیسا کہ میں نے تاریخ کبیر میں لکھا ہے
بن یحیی وابی مصعب والقعنبی	....
وابن بکیر وبمصنفات البغوی	....
والنووی کما سقتها فی التاریخ	....
الکبیر[2]	....

ذیل طبقات الحفاظ میں محدث سیوطیؒ نے تصریح کی ہے:

وصفه (ابن حجر) بالحفظ	الدرر الکامنہ میں متعدد جگہ حافظ ابن حجر نے
فی مواضع علی ما یاتی من الدرر[3]	آپکے حفظ حدیث کی تعریف کی ہے،

مورخ سخاوی اپنے استاذ حافظ ابن حجر سے ناقل ہیں:

فنه الذی مهر فیه القراءات	آپ کا اصل فن جس میں مہارت حاصل تھی
وله عمل فی الحدیث ونظم	وہ قراتوں کا فن تھا، حدیث میں بھی آپکا کارنامہ ہے،

[1] یعنی والا جملہ غالباً سخاوی کا اضافہ ہے [2] الضوء اللامع ج ۸ ص ۲۵۸ [3] ذیل طبقات الحفاظ للذہبی ص ۳۷۷

وسط [1] — نظم البتہ اوسط درجہ کی ہے

ابن الجزری کا شمار حفاظ حدیث میں ہے، محدث سیوطی ذیل طبقات الحفاظ میں لکھتے ہیں:

کان اماماً فی القراءات لا نظیر له فی القراءات فی الدنیا فی زمانه حافظاً للحدیث وغیره [2]

فن قرأت میں آپ امام تھے، اور اپنے زمانہ میں عالم میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے، حدیث اور دیگر علوم کے آپ حافظ تھے،

محدث محمد بن عبد الباقی الزرقانی المتوفی ۱۱۲۲ھ فرماتے ہیں

ابوالخیر شمس الدین ابن الجزری الدمشقی الامام فی القراءات الحافظ للحدایث [3]

ابوالخیر شمس الدین ابن الجزری دمشقی فن قرأت کے امام اور حافظ الحدیث ہیں،

مورخ ابن العماد کا بیان ہے

فانه کان عالم النظیر طائر الصیت انتفع الناس بکتبه وسارت فی الآفاق مسیر الشمس [4]

آپ مشہور خلائق تھے، اور اپنی نظیر نہ رکھتے تھے، لوگوں نے آپ کی کتابوں سے فائدہ اٹھایا ہے، عالم میں آپ کی تالیفات ایسی تیزی سے پھیلی ہیں جس طرح سورج تیزگامی سے اپنی منزل کی طرف پہنچ جاتا ہے

فن قرأت اور حدیث کے علاوہ اور بہت سے علوم اسلامیہ تاریخ، طبقات، رجال نحو اور اصول فقہ وغیرہ میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا، علامہ شوکانی کا بیان ہے،

۱ه الضوء اللامع ج ۸ ص ۲۵۹ ۲ه ذیل طبقات الحفاظ للذہبی ص ۳۷۷

۳ه شرح المواہب اللدنیہ، طبع اول مصر ۱۳۲۵ھ، ج ۱ ص ۱۳۹

۴ه شذرات الذہب ج ۸ ص ۲۰۶

مهر فی کثیر من العلوم خصوصاً علم القراءات فانه تفرد به واخذ عند الناس فیه وفی غیره من العلوم [1]

آپ کو بہت سے علوم میں مہارت حاصل تھی خاص طور سے علم قرأت، اس میں وہ تو یکتائے زمانہ تھے، بہت سے لوگوں نے آپ سے علم قرأت اور دوسرے علوم حاصل کیے،

حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہ بھی لکھا ہے لیس له ید فی الفقه [2] ان کو فقہ میں دستگاہ حاصل تھی، اور ابن حجر کے شاگرد سخاوی نے استاد کی اتباع میں یہاں تک لکھدیا ہے، لم یکن محمود السیرة فی القضاء [3]۔ آپ قضا کے معاملہ میں کچھ زیادہ نیک کردار نہ تھے،

ہمارے خیال میں یہ دونوں باتیں قرین قیاس نہیں، کیونکہ ابن الجزری کے واقعات زندگی سے ان باتوں کی تصدیق نہیں ہوتی، اگر ان کو فقہ میں درک حاصل نہ ہو، یا اور وہ محمود السیرۃ نہ ہوتے تو ماوراء النہر میں جو زمانۂ دراز سے فقہ کا مرکز تھا، مدت مدید تک عہدۂ قضا پر کیونکر فائز رہ سکتے تھے، پھر فقہ میں آپ کی تالیفات اس امر کا بین ثبوت ہیں کہ آپ کو فقہ پر عبور حاصل تھا، طاش کبریٰ زادہ کا بیان ہے،

الف فی التفسیر والحدیث والفقه [4]

فقہ، حدیث اور تفسیر میں آپ کی تالیفات ہیں،

معلوم ہوتا ہے، ان کی بڑھتی ہوئی شہرت اور قبولیت کو دیکھکر بعض معاصرین نے انکو بدنام کرنے کی کوشش کیں، یہانتک کہ مجازفت (من گھڑت باتیں کرنا) سے بھی آپ کو

۱ه تحفۃ الذاکرین طبع قاہرہ ۲ه الضوء اللامع ج ۸ ص ۲۵۹ ۳ه ایضاً کتاب مذکور

۴ه مفتاح السعادۃ، طبع اول حیدرآباد دکن ج ۱ ص ۳۹۴

متہم کیا گیا، مگر حافظ ابن حجرؒ نے اس اتہام کی نہایت سختی سے تردید کی ہے، چنانچہ انکا بیان ہے،

قد سمعت بعض العلماء یتهمه	میں نے بعض علماء سے سنا وہ ان کو مجازفت
المجازفة فی القول واما الحدیث	فی القول سے متہم کرتے تھے، ان کی حدیث
فیما اظن به ذلك الا انه رائ	کی نسبت تو میں اس کا گمان بھی نہیں کر سکتا،
للعصریین شیأ اغارا علیه	بات اتنی ہوگی کہ جب انھوں نے اپنے معاصرین
ونسبه للنفسه وهذا امر	کے پاس کوئی ایسی چیز دیکھی (جو ان کے پاس نہ
قد اكثر المتاخرون منه	تھی)، تو ان کو غیرت آئی اور اس کی نسبت
ولم ینفرد به[1]	اپنی طرف بھی کر دی ہو، یہ بات متاخرین
....	علماء میں ان سے بھی زیادہ موجود ہے،
....	اس میں وہ منفرد نہیں ہیں،

فقہ کے سلسلہ میں غالباً حافظ ابن حجر بھی معاصرین کے پروپیگنڈے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، ورنہ جس شخص کے زہد و ورع کا یہ عالم ہو کہ سفر و حضر میں بھی اس کے معمولات میں کوئی فرق نہ آتا ہو جس کی للہیت اور دربار رسالت میں رسائی کا یہ حال ہو کہ اس کے اشکالات براہ راست بارگاہ نبوی سے حل ہوتے ہوں، اس کو غیر محمود السیرۃ کیونکر باور کیا جا سکتا ہے،

(باقی)

[1] الضوء اللامع ج ۲ ص ۲۵۹

فارابی کی منطق

از جناب شبیر احمد خاں غوری ایم اے ایل ایل بی پی ایچ ڈی، رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی یوپی

اسلامی فکر کی ثروت نے بیشمار اہل فضل و کمال پیدا کیے، جن کے ناموں ہی کی فہرست سے جلدیں مرتب کی جا سکتی ہیں، ان میں سے بہت سے کاملین علم و حکمت کے آفتاب و ماہتاب بنکر شہرت کے آسمان پر اس طرح چمکے کہ ان کی فکر رسا کی ضیا باریوں سے مشرق تشرق الانوار بن گیا، مثلاً تفسیر میں امام ابن جریر طبری، حدیث میں امام بخاری، فقہ میں امام ابو حنیفہ، کلام میں امام اشعری، اصول میں امام رازی، تصوف میں امام غزالی، اسی طرح فلسفہ میں کندی، فارابی، بو علی سینا، ابن رشد وغیرہ،

موخر الذکر جماعت کا گل سرسبد اور واسطۃ العقد ابو نصر فارابی ہے، وہ قرون وسطیٰ میں صاحب المنطق (ارسطو) کا جانشین سمجھا جاتا تھا، اس لیے اسلامی تاریخ میں وہ "المعلم الثانی" کے نام سے مشہور ہے، ابن القفطی اس کے بارے میں لکھتا ہے: "فیلسوف المسلمین غیر مدافع"[1] اسی طرح قاضی صاعد اندلسی نے طبقات الامم میں لکھا تھا: "فیلسوف المسلمین بالحقیقۃ"[2] عہد حاضر میں ڈی بوائر اس کے متعلق لکھتا ہے: "وہ منطقی اور مابعد الطبیعی مسائل جن کی تمہید کندی وغیرہ نے اٹھائی تھی، اپنے نقطۂ کمال پر رازی کے ہمعصر ابو نصر محمد بن محمد بن طرخان بن اوزلغ الفارابی کے یہاں پہنچے"[3]

[1] اخبار العلماء باخبار الحکماء للقفطی ص ۱۸۲ [2] طبقات الامم للقاضی صاعد بن احمد الاندلسی ص ۸۳
[3] تاریخ فلسفۂ اسلام از ڈی بوائر مترجمہ ڈاکٹر عابد حسین ص ۸۹

منطق کی ترقی میں فارابی کا کیا مقام ہے، اور بعد کے آنے والوں پر اس کا کیا احسان ہے،

اس کے متعلق قاضی صاعد نے لکھا ہے:

وکان ابو نصر الفارابی معاصراً
لابی بشر متی بن یونس فی علم
المنطق وعلیه معول العلماء
ببغداد وغیرها من امصار المسلمین
بالشرق لقرب ماخذها وکثرة
شرحها[1]

ابو نصر فارابی علم منطق میں ابو بشر متی بن یونس
کا ہم عصر تھا، بغداد اور مشرقی ممالک کے علماء
کا اسی پر اعتماد ہے، بوجہ اس کے قرب
ماخذ اور کثرت شروح کے۔ ...
. . . .
. . . .

دوسری جگہ انھوں نے فارابی کی منطقی خدمات کا اجمالی خاکہ اس طرح دیا ہے:

ومنهم ابو نصر محمد بن محمد بن
نصر الفارابی فیلسوف المسلمین
بالحقیقة اخذ صناعة المنطق
عن یوحنا بن جیلان المتوفی
بمدینة السلام فی ایام المقتدر
فبذ جمیع اهل الاسلام فیها
واتی علیهم فی التحقیق بها فشرح
غامضها وکشف سرها وقرب
تناولها وجمع ما یحتاج الیه منها

فلاسفۂ اسلام میں سے ابو نصر محمد بن محمد نصر
الفارابی بھی ہے جو صحیح معنوں میں (Par excellence)
فیلسوف المسلمین کہلانے کا مستحق ہے، اس نے
منطق کی تعلیم یوحنا بن جیلانی سے حاصل کی
جس نے خلیفہ مقتدر باللہ (۲۹۵-۳۲۰ھ)
کے زمانے میں شہر بغداد میں وفات پائی تھی،
فارابی علم منطق میں تمام مسلمانوں سے بڑھ گیا
اور سب سے زیادہ ان مسائل میں داد تحقیق دی،
اس نے اس علم کے غوامض کو شرح کے طور پر

فی کتب صحیحة العبارة لطیفة
الاشارة منبهة علی ما اغفله
الکندی وغیره من صناعة التحلیل
وانحاء التعلیم واوضح القول
فیها عن مواد المنطق الخمس
وافاد وجوه الانتفاع بها و
عرف طرق استعمالها وکیف
تعرف صورة القیاس فی کل
مادة منها فجأت کتبه فی ذلک
الغایة الکافیة والنهایة الفاضلة[1]

بیان کیا، اس کے اسرار و رموز کو کھول کر رکھ دیا
اور اسکی تعلیم کو سہل الحصول بنا دیا اور علم منطق
کے حصول میں جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے
ایسی کتابوں میں جمع کر دیا جن کی عبارت صحیح ہے،
جن کے اشارات لطیف ہیں اور جو صناعت تحلیل
اور تعلیم کے طریقوں پر جن سے کندی وغیرہ نے
غفلت برتی تھی متنبہ کرتی ہیں۔ فارابی نے ان
کتابوں میں منطق کے مواد خمس کی بھی وضاحت کی
اور ان سے نفع حاصل کرنے کے طریقوں کو بھی
واضح کیا اور ان کے طرق استعمال کو بھی بتایا
نیز یہ بھی بتایا کہ ہر مادے میں قیاس کی صورت
(syllogistic form) کس طرح بٹھائی
جا سکتی ہے، اس طرح اس کی منطقی تصانیف
اس باب میں ایک بلند مرتبہ رکھتی ہیں۔

اس اجمالی خاکے کی تفصیل کو اس کے صحیح پس منظر میں سمجھنے کے لیے فارابی کے پیشرو منطقیوں کی فنی خدمات کا ایک مختصر جائزہ غیر مناسب نہ ہوگا، اس جائزہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے،

۱۔ فارابی کے یونانی پیشرو۔

۲۔ فارابی کے اسلامی پیشرو۔

(۱) فارابی کے یونانی پیشرو

منطق کا آغاز علم منطق کی بنیاد اس کے مرتب و مدون کی حیثیت سے ارسطو نے ڈالی، قاضی صاعد نے ارسطو کے حال میں لکھا ہے :-

واما الکتب التی فی الآلات (مستعملة فی علوم الفلسفة فهی کتبه (کتب ارسطاطالیس) الثمانیة المنطقیة التی لم یسبقه احد من علمائنا الی تالیفها ولا تقدمه الی جمعها[1]

رہی وہ کتابیں جو علوم فلسفہ میں مستعمل ہونے والے آلات پر ہیں (آلی حیثیت رکھتی ہیں) تو وہ اس کی (یعنی ارسطو کی) منطق کی آٹھ کتابیں ہیں جن کی تالیف و تدوین کی جانب جہاں تک ہمارا علم ہے، کسی نے سبقت نہیں کی، اور نہ کسی نے اس سے پہلے انھیں جمع کیا،

لوگ ارسطو سے پہلے بھی غور و فکر کیا کرتے تھے، اور چونکہ وہ ان بنیادی اصولوں کی مراعاة کرتے تھے جو صحیح تفکیر کے لیے لابدی ہیں، اس لیے ان کا استدلال و استنتاج عموماً صحیح ہوتا تھا، لیکن جہاں ان اصولوں کی مراعاة میں ان سے چوک ہو جاتی تھی، وہیں ٹھوکر کھا جاتے تھے، ٹھوکر کھانا تو اتنا برا نہیں، مگر مشکل یہ تھی ان "زلل اقدام" پر تنبہ کا ان کے پاس کوئی ضابطہ نہ تھا، اس ضابطہ کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا مدون ارسطو ہے، اس لیے وہ بجا طور پر منطق کا موجد "صاحب المنطق" کہا جاتا ہے،

ارسطو کے پیشرو یونان میں تفلسف کا رواج ارسطو سے بھی تین سو سال پہلے تھا، ان تین صدیوں نے مشاہیر فلاسفہ پیدا کیے، جن کے سامنے بنیادی مسئلہ کائنات کے مبدأ اولین کی دریافت کا تھا، تالیس الملطی کے نزدیک اصل کائنات پانی ہے، انا کزمنڈر کے نزدیک مادہ "لامحدود" ہے

---

[1] طبقات الامم ص ۳۵

انکسیمنس کے نزدیک ہوا ہے، ایلیائی فلاسفہ کے نزدیک ہستی تغیر ناپذیر ہے، ایراقلیطس کے نزدیک آگ ہے، انبدقلیس کے نزدیک عناصر اربعہ، انکساغورس کے نزدیک اشیاء کے اجزاء صغار، دیمقراطیس کے نزدیک جواہر فردہ اور فیثاغورث کے نزدیک اعداد، اس تناقض آراء و تصادم افکار کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا کہ خود انسانی ذہن کی صلاحیتوں ہی کے متعلق مایوسی ہو جائے، ع

کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معما را

یہی موقف چوتھی صدی قبل مسیح میں سوفسطائیہ نے اختیار کیا، لیکن سوفسطائیہ کا یہ سلبی و تخریبی رجحان انسانی ذہن کو حصول علم و معرفت کی مساعی سے باز نہ رکھ سکا، البتہ انھوں نے یقینی اور ہمہ گیر معرفت کے امکان کا انکار کرکے فلسفہ کو مجبور کیا کہ وہ خود عمل تفکیر کا جائزہ لے اور اس طرح انھوں نے ایک زیادہ استوار اور پائدار نظریۂ معرفت کی تاسیس کے لیے زمین ہموار کرنے کا فریضہ انجام دیا،

چنانچہ سقراط نے سوفسطائیوں کی تشکیک و ارتیابیت کا بروقت مداوا کیا، اس کا مشن اپنے سامعین میں نیکی کا جذبہ ابھارنا تھا، مگر اس کے نزدیک نیکی اور حقیقت مترادف لفظ ہیں، اس لیے سقراطی مناہج میں الفاظ کے صحیح مصداق متعین کرنے کے لیے ان کے حدود و تعریفات پر خاص توجہ دی جاتی تھی،

سقراط کے اس منہاج کو افلاطون نے اپنی تحریروں میں استعمال کیا، اس نے مختلف تصورات کو قائم کرنے اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ملانے کے فن پر خصوصیت سے بحث کی، اس طرح افلاطون نے نظریۂ منہاج یا جدلیات یا دیالطیق (Dialectics) کا ایک ابتدائی خاکہ پیش کیا اور صوری منطق (Formal Logic) کی بنیاد ڈالی،

ارسطو | لیکن سب سے پہلے جس فلسفی نے منطق کی جزئیات و تفصیلات کو مدون کیا، وہ ارسطاطالیس (ارسطو) ہے، ارسطو منطق کو صحیح معرفت کا آلہ سمجھتا ہے، اور یہ اصول قرار دیتا ہے کہ جب تک ہم خود کو انالوطیقا (کتاب القیاس) کے ساتھ آشنا نہ بنالیں، ہمیں فلسفۂ اولیٰ یا حقایق اشیاء کے علم کا مطالعہ شروع نہ کرنا چاہیے، غرض منطق اس کے نزدیک فلسفہ کا مقدمہ ہے،[1] یہ صحیح غور و فکر کے ذریعہ علم اور استدلال و استنتاج یا علمی توضیح کا نام ہے، استنتاج تصدیقات سے مرکب ہوتا ہے، تصدیقات کو جب الفاظ میں تعبیر کیا جاتا ہے تو وہ قضایا کہلاتی ہیں، تصدیقات تصورات سے حل کرتے ہیں، اور جب تصورات کو الفاظ میں تعبیر کیا جاتا ہے تو وہ اطراف (Terms) کہلاتے ہیں،[2]

مسلمان منطقیوں کے برعکس ارسطو تصورات کی بحث میں زیادہ وقت صرف نہیں کرتا، وہ صرف حد (تعریف = Definition) کے اصول و قواعد تک خود کو محدود رکھتا ہے، البتہ تصورات میں وہ قاطیغوریاس [Categories] سے تفصیلی طور پر بحث کرتا ہے، قاطیغوریاس کو عربی منطق میں "مقولات" (یا مقولات عشرہ) کہتے ہیں، ان سے مراد وہ تصورات عالیہ (اجناس عالیہ) ہیں جو کسی امر کے لیے ثابت کیے جاسکتے ہیں یا جن کا اس کے لیے انکار کیا جاسکتا ہے، ارسطو کے نزدیک ان مقولات یا قاطیغوریاس کی تعداد دس ہے، جو جوہر اور اعراض تسعہ پر مشتمل ہیں،[3][5]

---

[1] تاریخ فلسفہ از پروفیسر تھلی ص ۱، [2] ایضاً [3] کم، کیف، اضافت، ملک، وضع، این، متی، فعل، انفعال،

جوہر اور اعراض تسعہ کو ایک شاعر نے نظم کیا ہے،

ممکن دو قسم نیز بود جوہر و عرض — جوہر بہ پنج قسم شنو اے ناظم عقود
جسم است صورت است ہیولیٰ و نفس و عقل — ہم نہ قسم بود عرض این یاد گیر زود
کیف و کم اضافت و ہم فعل و انفعال — ہم ملک وضع و این متی بشنو لے ودود

لیکن سب سے زیادہ توجہ وہ قیاس [سلوجسموس = Syllogism] کی توضیح و تشریح پر دیتا ہے، ارسطو پہلا مفکر ہے جس نے قیاس کی اُن بنیادی اشکال کو دریافت کیا جن کے تحت فکر اپنا عمل کرتی ہے، اس نے اس مخصوص بحث کو "سلوجسموس" کا نام دیا، پروفیسر تھلی نے لکھا ہے:

"وہ پہلا شخص تھا۔ جیسا کہ زیلر کہتا ہے۔ جس نے سلوجسموس یا ان بنیادی صورتوں کو دریافت کیا جن کے تحت فکر اپنا عمل کرتی ہے، اور اس کے لیے اصطلاح مقرر کی۔"[1]

لیکن زیلر سے آٹھ نو سال قبل اندلسی مورخ فلسفہ قاضی صاعد اندلسی (المتوفی ۴۶۲ھ) نے "طبقات الامم" میں خود ارسطو کی کتاب "سوفسطیقا" سے نقل کیا تھا:

واما صناعة المنطق و بناء	(جہاں تک علم منطق اور "سلوجسموس" بنانے
السلوجسموس فلم نجد فیما خلا ا صلاً	(Syllogism formation
متقدماً ما یبنیٰ علیہ لکنا وقفنا	کا تعلق ہے تو گذشتہ زمانہ میں ہمیں کوئی ایسی بنیادی
علی ذلک بعد الجهد الشدید	(مثال) نہیں ملی جس پر اس علم کی بنیاد رکھی جاتی،
والتعب الطویل فهذہ الصناعة	لیکن سخت کوشش اور پیہم محنت کے بعد ہمیں اس
وان کنا نحن ابتد عناها فقد	(علم کے دریافت کرنے اور اسے منظم و مدون کرنے)
حصنا جهتها و نمنا اصولها	کی توفیق ہوئی، لهذا اگرچہ اس علم کو ہمیں نے
ولم نفقد شیئاً مما ینبغی ان	پہلی مرتبہ ایجاد کیا ہو، مگر ہم نے اسکی مختلف
یکون موجوداً فیها کما فقدت	جہات کو محفوظ کر دیا ہے اور اسکے اصول کو منظم
اوائل الصناعات ملکها کاملة	کر دیا ہے، ہم نے اس فن میں کسی ایسی چیز کو نہیں

---

[1] تاریخ فلسفہ از پروفیسر تھلی ص ۱،

مستحکمۃ مثبتۃ اساسہا مرموقۃ	چھوڑا جس کا ہونا مستحسن ہے جس طرح متقدمین
قواعدہا وثیق بنیانہا معروفۃ	نے اس علم کو چھوڑ دیا تھا، اس کے برعکس ہمارے
غایاتہا واضحۃ اعلامہا[1]	تدوین کے بعد یہ فن کامل اور مستحکم ہو گیا ہے، اسکی
	اساس مضبوط ہے، اسکے قواعد منظم ہیں، اسکی
	بنیاد قابل اعتماد ہے، اسکی غرض وغایت معلوم
	و معروف ہے اور اسکی نشانیاں واضح ہیں،

ارسطو کی منطقی تصانیف | صناعۃ منطق کے سلسلے میں ارسطو نے متعدد کتابیں لکھی تھیں، انکی تفصیل اور ان کے اندر اصلی اور جعلی کی تمیز ارسطو کے سوانح نویس کا منصب ہے، مگر مسلمان منطقیوں میں [اور غالباً ان سے قبل متاخر یونانی شراح ومفسرین میں بھی] اس کی منطقی تصانیف کی تعداد آٹھ تسلیم کیجاتی تھی، جیسا کہ قاضی صاعد کے الفاظ "فہی کتبہ الثمانیۃ المنطقیۃ" سے مترشح ہوتا ہے۔[2] ابن الندیم نے بھی اس کی آٹھ منطقی کتابیں گنائی ہیں:-[3]

۱- قاطیغوریاس (Categories) یا کتاب المقولات،

۲- باری ارمینیاس (Peri Hermeniticae) یا کتاب العبارۃ،

۳- انالوطیقا (Analytica Prior) یا کتاب القیاس،

۴- ابودیقطیقا (Appodicticae) یا کتاب البرہان،

۵- طوبیقا (Topicae) یا کتاب الجدل،

۶- سوفسطیقا (Sophisticae) یا کتاب الحکمۃ المموہہ،

۷- ریطوریقا (Rhetoricae) یا کتاب الخطابۃ،

۸- بوطیقا (Poeticae) یا کتاب الشعر

[1] طبقات الامم ص ۳۹ - ۴۰ [2] ... [3] الفہرست لابن الندیم ص ۳۴۷

ان کتب ثمانیہ کی مزید تفصیل ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطبا میں خود ابو نصر فارابی سے نقل کی ہے، جو آگے آرہی ہے۔[1] فارابی کہتا ہے کہ ان میں سب سے اہم جزء رابع یعنی کتاب البرہان یا ابودیقطیقا ہے:-

والجزء الرابع ہو اشدّہا تقدّماً	چوتھا جزء (کتاب البرہان) ہی سب سے زیادہ شرف و
للشرف والرئاسۃ والمنطق	ریاست اور منطقی مواد کے اعتبار سے مقدم اور
انما التمس بہ علی القصد الاول	برتر ہے، اصولاً جزء رابع (کتاب البرہان) ہی کی
الجزء الرابع وباقی اجزاءہ	ضرورت پڑتی ہے اور باقی اجزاء (ارسطاطالیسی
انما عمل لاجل الرابع[2]	منطق کی بقیہ سات کتابوں) کی ضرورت چوتھی کتاب کی

غالباً ابودیقطیقا کی اسی خصوصیت کی وجہ سے بعد کے مسیحی علماء نے اس کی تعلیم کو ممنوع قرار دیا،[3] اس کے اسباب آگے آرہے ہیں،

ارسطو کے جانشین | ارسطو نے ۳۲۲ق م میں وفات پائی، اس کے بعد ۵۲۹ء تک جبکہ ایتھنز کا فلسفہ سرکاری طور پر بند کر دیا گیا، منطق کے اصولوں میں کوئی قابل ذکر تبدیلی نہیں ہوئی، البتہ فلسفہ کے مختلف مکاتب فکر نے مسئلۂ معرفت کے باب میں مختلف نظریات پیش کیے، اس ساڑھے آٹھ سو سال کے طویل حصے کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے،

(ا) بعد ارسطاطالیسی مکاتب فکر یعنی ابیقوریت، رواقیت اور ارتیابیت،

(ب) یونانی فلسفہ کا عہد آخر جو نو فلاطونیوں اور متاخر حکمائے یونان کی علمی کاوشوں پر مشتمل ہے،

(۱) **ابیقوریہ**: ابیقوریہ (Epicureans) اصولاً مادہ پرست تھے، لہذا انھوں نے تجربیت پر غیر معمولی زور دیا اور ادراک حسی (Sence Perception)

[1] عیون الانباء فی طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ ج ۱ ص ۱۳۵ [2] ایضاً ص ۵۹ [3] طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ ص ۲۷

پر غیر مشروط اعتماد کیا، ابیقورس کے نزدیک حواس حق و صداقت کا معیار ہیں، ان کے ماوراء
وہ کلیات و مجردات کا منکر تھا۔

ابیقورس (Epicurus) نے اس موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی تھی جس کا نام "Canon" یا قانون ہے، اس میں کلیدی مسئلہ یہ تھا کہ صحیح ہونے کے لیے قضایا کو کس طرح ترتیب دینا چاہیے،[1]

(۲) **رواقیہ**: رواقی (Stoics) فلسفے کو ایک کھیت سے تشبیہ دیتے تھے جس میں منطق احاطے کے، طبیعیات زمین کے اور اخلاقیات پھل کے مشابہ ہیں، لہذا وہ کہتے تھے کہ ہمیں اپنا مطالعہ منطق سے (جو علم اور نطق دونوں کا نام ہے) شروع کرنا چاہیے، اسلیے رواقی حکماء نے صوری منطق پر بہت زیادہ توجہ مبذول کی، علی الخصوص "نظریہ سلوجیموس" (قیاس) پر جسے وہ منطق کا جزو اہم سمجھتے تھے، انھوں نے ارسطاطالیسی منطق میں خاصہ اضافہ کیا اور ارسطو کی فہرست مقولات پر بھی نظر ثانی کی،[2]

(۳) **ارتیابیہ**: رائج الوقت فلسفی نظاموں کی ادعائیت (Dogmatism) کے رد عمل کے طور پر تشکیک و ارتیابیت (Scepticism) کا پیدا ہونا ناگزیر تھا، تشکیکین امکان علم ہی کے منکر تھے، لہذا حصول معرفت کے مناہج کی تنقیح و تہذیب کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا،

(۴) **انتخابیہ**: ارتیابیت ایک سلبی تحریک تھی، تاہم اُس نے مختلف مکاتب فکر کی ادعائیت کی تعدیل کر دی، اس طرح مختلف افکار و تعلیمات کے امتزاج سے ایک نئی تحریک پیدا ہوئی جو انتخابیت (Eclecticism) کے نام سے مشہور ہے،

[1] تاریخ فلسفہ از پروفیسر تھلی ص ۸۰ [2] ایضاً ص ۹۶

اس نئے انداز فکر کا مشہور ترین مفکر جالینوس (۱۳۱–۲۰۱) ہے جو طب کے ساتھ فلسفہ میں بھی انہماک رکھتا تھا، منطق میں اس کا مشہور کارنامہ "شکل رابع" کی تصحیح ہے، ورنہ ارسطو نے صرف پہلی تین شکلوں ہی کو تسلیم کیا تھا، چنانچہ قاضی صاعد اندلسی نے اس کے ذکر میں لکھا ہے:

وھو اول من خلص صناعۃ	ارسطو پہلا شخص ہے جس نے فن برہان کو باقی
البرھان من سائر الصناعات	منطقی فنون سے علیحدہ اور ممتاز کیا اور
المنطقیۃ وصورھا بالاشکال	اشکال ثلاثہ کے ذریعہ عمل برہان (Thought
الثلاثۃ[1]	precen) کی صورتوں کو متعین کیا،[2]

لیکن دوسری صدی عیسوی میں حکیم جالینوس نے شکل رابع کو قابل انتاج تسلیم کیا، اس طرح اس نے ارسطو کی "اشکال ثلاثہ" کو "اشکال اربعہ" میں بدل دیا، مسلمان منطقیوں کے دور آخر میں جالینوس کی اسکیم پر عمل رہا، آجکل یورپ میں جو ارسطالیسی منطق مروج ہے اس میں بھی اشکال اربعہ تسلیم کیے گئے ہیں،

جالینوس طب کے علاوہ منطق کی تاریخ میں بھی خاص اہمیت رکھتا ہے، باری ارمینیاس کی تفسیر کے علاوہ ابن ابی اصیبعہ نے اس کی تین کتابیں اور گنائی ہیں،

۱- کتاب البرہان:[3] اس میں پندرہ مقالے تھے، اس کا موضوع یہ تھا کہ جو امور ضرورۃً

[1] طبقات الامم ص ۳۶ [2] یا جس طرح پروفیسر تھلی کہتا ہے:

He wasthe first as Zeller saysto discover in The syllogism The basal form in which all Thought moves and To give Ja name History of Philosophy by Prof. Thilly P 71

[3] طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ جلد اول ص ۱۰۰

بین ہوں، ان کی تبیین کا کیا طریقہ ہے، اور یہی ارسطو کا اپنی چوتھی کتاب (کتاب البرہان) میں مقصد تھا، لیکن یہ کتاب عہد اسلام سے قبل ہی دستبرد حوادث کا شکار ہو چکی تھی، حنین اور جبرئیل دونوں نے اس کو حاصل کرنے کی انتہائی کوشش کی، مگر کامل نسخہ کہیں دستیاب نہ ہو سکا، اس کتاب کے بعض مقالات سے مشائیوں (پیروان ارسطو) نے اختلاف کیا تھا، چنانچہ اسکندر افرودیسی نے آٹھویں مقالے کا رد لکھا ہے، جس کا ابن اصیبعہ نے اس کی تصانیف کے ضمن میں ذکر کیا ہے،

۱۔ "مقالۃ فی الرد علی جالینوس فی المقالۃ الثامنۃ من کتابہ فی البرھان"[1]

۲۔ کتاب فی القیاسات الوضعیہ،[2]

۳۔ کتاب فی قوام الصناعات[3]

۵۔ **نوفلاطونیت**: نوفلاطونی حکما، (Neo Platonists) نے جہاں تک منطق کا تعلق ہے، معلم اول (ارسطو) کی تصانیف کی شرح و تفسیر تک اپنی کوشش کو محدود رکھا اور "صاحب المنطق" سے کسی اہم بات میں اختلاف نہیں کیا،

لیکن اس کلیہ سے فرفوریوس (Prophyry) جس کا زمانہ ۲۳۲ء لغایت ۳۰۱ء مسیحی ہے، مستثنیٰ ہے، اس نے ارسطو کے الفاظ اربعہ (Four Predicables) کے بجائے کلیات خمسہ کی اسکیم جاری کی، ارسطو نے الفاظ کی تعداد چار قرار دی تھی، یعنی تعریف، جنس، خاصہ اور عرض عام، فرفوریوس نے تعریف (Definition) کو اس اسکیم سے ساقط کر دیا اور اس کے بجائے دو نئے اضافے کیے، یعنی نوع اور فصل، اس طرح الفاظ کی تعداد پانچ ہو گئی یعنی جنس (Genus) نوع (species) فصل (Diffrentia)

[1] طبقات الاطباء، ج ۱ ص ۷۰۔ [2] ایضاً ص ۱۰۰۔ [3] الفہرست لابن الندیم ص ۳۵۴

خاصہ (Proporium) اور عرض عام (Accident) مسلمان منطقی ان الفاظ پنجگانہ کو "کلیات خمسہ" کہتے تھے، جس کا یونانی ترجمہ ایساغوجی (Isagoge) ہے، چنانچہ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں لکھا ہے،

ایساغوجی وھو لفظ یونانی معناہ	ایساغوجی یونانی زبان کا لفظ ہو جسکے معنی کلیات
الکلیات الخمس الی الجنس والنوع	پنجگانہ یعنی جنس، نوع، فصل، خاصہ اور عرض عام
والفصل والخاصۃ والعرض العام	ہیں، اور یہ مبحث (یا کتاب) منطق کے ابواب
وھو باب من الابواب لتسعۃ	نہگانہ میں سے ایک ہو، کسی شاعر نے کلیات پنجگانہ
للمنطق وقال بعضھم فی ضبطہ	کے نام بدینطور نظم کیے ہیں،
جنس و فصل و نوع و خاص و عرض عام	جملہ را ایساغوجی کردند نام
وصنف فیہ جماعۃ من المتقدمین	اور اس مبحث پر قدما، و متاخرین میں سے ایک جماعت
والمتاخرین کفرفوریوس الحکیم	نے کتابیں لکھی ہیں، جیسے حکیم فرفوریوس وغیرہ،

ابن الندیم نے تفسیر قاطیغوریاس اور تفسیر باری ارمینیاس کے علاوہ فرفوریوس کی دو اور کتابیں گنائی ہیں،

۱۔ کتاب ایساغوجی فی المدخل الی الکتب المنطقیہ، اور

۲۔ کتاب المدخل الی القیاسات الحملیہ،[1]

ابن القفطی نے کتاب ایساغوجی کے سبب تصنیف کے سلسلے میں حسب ذیل وجہ لکھی ہے،

وقد فسر من کتبہ ما ذکرنا فی	فرفوریوس نے ارسطو کی ان کتابوں پر تفسیر لکھی
ترجمۃ ارسطاطالیس شکوا الیہ	جس کی تفصیل ہم نے ارسطو کے ذکر میں دی ہے،
ذلک من الاماکن النازحۃ ذکروا	لوگوں نے دور دراز مقامات سے آکر

[1] الفہرست ابن الندیم ص ۳۵۴

سبب الخلل الداخل علیهم ففهم
ذلک وقال کلام الحکیم یحتاج
الی مقدمة تقصر عن فهمها
طلبة زماننا لفساد اذهانهم
وشرع فی تصنیف کتاب ایساغوجی
فاخذ عنه واضیف الی کتب
ارسطاطالیس وجعل اولها [1]

اس سے شکایت کی اور اس خلل کا سبب اس سے بتایا جو ارسطو کی کتابوں کے سمجھنے میں پیدا ہو گیا تھا، اس نے انکی دقتوں کو سمجھا اور کہا کہ حکیم کا کلام اپنے تعارف کے لیے ایک ایسے مقدمہ کا ضرورتمند ہے جس کے سمجھنے سے ہمارے زمانے کے طلبہ بوجہ اپنی کوتاہی فہم کے قاصر ہیں، اسکے بعد اس نے کتاب ایساغوجی کو تصنیف کرنا شروع کیا، جب مکمل ہو گئی تو لوگوں نے اسے لیکر قبول کیا اور ارسطو م

اس طرح منطق میں آٹھ کتابوں (ارسطو کی کتب ثمانیہ منطقیہ) کے بجائے نو کتابیں ہو گئیں، اسی وجہ سے حاجی خلیفہ نے ایساغوجی کے متعلق لکھا ہے: وهو باب من الابواب التسعة للمنطق، اور وہ منطق کے مباحث نہگانہ میں سے ایک مبحث ہے۔

۶- **متاخرین حکمائے یونان:** اس زمانہ میں یونانی عبقریت بوڑھی ہو چکی تھی، جدت اور ندرت کی جگہ تقلید اور روایت پرستی نے لے لی تھی، لہذا

متاخرین حکماء کا کام صرف قدماء کے کلام کی تفسیر کرنا رہ گیا تھا[2]، اس کی تفصیل آگے آرہی ہے،

یونانی شراح منطق یونانی حکماء میں سے کس کس نے ارسطو کی منطقی کتابوں کی شرح و تفسیر لکھی، اسکی تفصیل یونانی فکر و ادب کے مورخ کا کام ہے، لیکن جن یونانی شراح منطق سے مسلمان منطقی واقف تھے، ان کی فہرست ابن الندیم نے "الفہرست" میں دی ہے، ان کی تعداد تقریباً بارہ ہے،

۱- ثاؤفرسطس (المتوفی ۲۸۸ ق م) ارسطو کا عزیز ترین شاگرد اور اس کا جانشین تھا، ابن الندیم (اور اسی طرح بعد کے موخرین) نے اس کے متعلق لکھا ہے،

احد تلامیذ ارسطاطالیس

وہ ارسطو کا ایک شاگرد اور اسکا بھانجا تھا

[1] اخبار العلماء باخبار الحکماء، لابن القفطی ص ۱۶۹-۱۷۰ [2] مختصر تاریخ فلسفہ یونان از دیلہلم نس ص ۲۴۷

وابن اخته واحد الاوصیاء الذین
وصّی الیهم ارسطاطالیس وخلفه
علی دار التعلیم بعد وفاته [1]

اور ان جانشینوں میں سے ایک تھا جنکی جانشینی کی ارسطو نے وصیت کی تھی، ارسطو نے اسے اپنی وفات کے بعد اپنے مدرسہ (دار التعلیم Lyceum)

ابن الندیم شراح ارسطو کی فہرست میں ثاؤفرسطس کو دو کتابوں کا شارح بتاتا ہے: قاطیغوریاس اور باری ارمینیاس کا[2]، لیکن آگے چل کر ثاؤفرسطس (Theophrastus) کے ذکر میں قاطیغوریاس کی تفسیر کو اس کی جانب منحول بتاتا ہے،

ومما ینحل الیه تفسیر کتاب
قاطیغوریاس [3]

اور ان کتابوں میں سے جو اسکی (ثاؤفرسطس کی) طرف منسوب ہو گئی ہیں کتاب قاطیغوریاس کی تفسیر بھی ہے،

۲- اسکندر افرودیسی (۲۰۰ء کے قریب) حسب تصریح ابن الندیم[4] اسکندر افرودیسی (Alexander Aphrodisiensis) طوائف الملوکی کے زمانے میں تھا، اور جالینوس کا معاصر تھا، بلکہ جالینوس سے اس کے مباحثے بھی ہوتے رہتے تھے،

وکان فی ایام ملوک الطوائف
بعد الاسکندر ورای
جالینوس واجتمع معه وکان
یلقب جالینوس رأس البغل
وبینه وبینه مشاغبات
ومخاصمات [5]

اسکندر افرودیسی (Alexender Aphrodisiensis) سکندر اعظم کے بعد جو طوائف الملوکی پھیلی تھی اس زمانے میں تھا، اس نے جالینوس کو دیکھا تھا، اور اسکے ساتھ اسکی ملاقاتیں بھی رہیں، وہ جالینوس کو راس البغل کے لقب سے یاد کرتا تھا اور اسکندر افرودیسی اور جالینوس کے درمیان مناظرے اور مجادلے بھی ہوتے تھے،

[1] الفہرست لابن الندیم ص ۳۵۳ [2] ایضاً ص ۳۴۸ [3] ایضاً ص ۳۵۳ [4] مختصر تاریخ فلسفہ یونان ص ۲۴۶
[5] الفہرست ص ۳۵۳-۳۵۴

اسکندر افرودیسی مشائی جماعت کے اس عہد سے تعلق رکھتا ہے، جبکہ اس کا کام محض اتنا رہ گیا تھا کہ ارسطو کی تصانیف کی شرح اور اس کی تعلیم کی حمایت کرتی ہے[1]، چنانچہ اسکندر افرودیسی نے ارسطاطالیسی منطق کی کم وبیش چھ کتابوں کی شرح و تفسیر لکھی یعنی قاطیغوریاس بادی ارمنیاس، انالوطیقا، ابودیقطیقا، طوبیقا اور سوفسطیقا، اس کثرت شرح و تفسیر کے بعد اسکندر بجا طور پر شارح "(شارح ارسطو) کہلانے کا حقدار ہے[2]،

ا۔ قاطیغوریاس: اسکندر کی شرح قاطیغوریاس جو تقریباً تین سو اوراق میں تھی، ابوزکریا یحییٰ ابن عدی نے نقل کی تھی، بلکہ قاطیغوریاس کی وہ نادر تفسیر جو ایالیخس کی جانب منسوب تھی ابوزکریا کے خیال میں منحول تھی، کیونکہ اس نے اس میں "قال الاسکندر" لکھا دیکھا تھا[3]،

ب۔ بادی ارمنیاس: ابن الندیم کے زمانہ میں اسکندر کی تفسیر بادی ارمنیاس ناپید ہو چکی تھی[4]،

ج۔ انالوطیقا: اسکندر افرودیسی نے انالوطیقا کی دو شرحیں لکھی تھیں، (دونوں اشکال حملیہ کی بحث تک) ان میں سے ایک دوسرے سے زیادہ مکمل تھی[5]،

د۔ ابودیقطیقا: ابن الندیم کے زمانہ میں اسکندر کی "شرح ابودیقطیقا" نایاب تھی، چنانچہ وہ "الکلام علی ابودیقطیقا" میں لکھتا ہے،

وشرح الاسكندر لم يوجد[5]

اسکندر افرودیسی نے ابودیقطیقا (کتاب البرہان) کی شرح لکھی تھی مگر یہ ناپید ہے،

مگر یحییٰ بن عدی نے ابن الندیم سے بتایا تھا کہ اس نے اس کو ابراہیم بن عبداللہ نصرانی کے ترکہ میں دیکھا تھا، مگر خرید نہ سکا، ابن الندیم "الاسکندر الافرودیسی" کے ذکر میں لکھتا ہے:

---

[1] مختصر تاریخ فلسفہ یونان ص ۲۴۴ [2] ایضاً ص ۲۴۴، [3، 4، 5] الفہرست ص ۳۴۸

قال ابو زكريا يحيى بن عدي ان شرح الاسكندر للسماع كله وكتاب البرهان رأيته في تركة ابراهيم بن عبد الله الناقل النصراني وان الشرحين عرضا علي بمائة دينار وعشرين دينارا فمضيت لاحتال في الدنانير ثم عدت فاصبت القوم قد باعوا الشرحين في جملة كتب على رجل خراساني بثلاثة آلاف دينار[1]

ابوزکریا یحییٰ بن عدی نے کہا کہ ابراہیم بن عبداللہ کے ترکہ میں جو ایک عیسائی مترجم تھا، دو کتابیں دیکھی تھیں، ایک اسکندر افرودیسی کی شرح پوری سماع الطبیعی پر اور دوسری اسکی شرح کتاب البرہان پر، یہ دونوں کتابیں میرے سامنے ایک سو بیس دینار کے عوض پیش کی گئیں، میں گھر دینار لینے گیا، لوٹ کر گیا دیکھتا ہوں کہ یار لوگوں نے دونوں شرحیں اسکی متروکہ دونوں کتابوں کے ساتھ ایک خراسانی شخص کے ہاتھ تین ہزار دینار میں فروخت کر ڈالیں،

ہ۔ طوبیقا: اسکندر نے طوبیقا یا کتاب الجدل کی جو شرح لکھی تھی وہ بھی ابن الندیم کے زمانہ میں کمیاب تھی، چنانچہ جب یحییٰ بن عدی نے طوبیقا کی تفسیر لکھنا چاہی تو اسے اسکندر کی تفسیر میں سے صرف مقالۂ اولیٰ کے کچھ حصے اور پانچویں سے آٹھویں مقالہ تک کی تفسیر ملی[2]،

و۔ سوفسطیقا: اسکندر افرودیسی نے سوفسطیقا (کتاب الحکمۃ المموہہ) کی شرح بھی لکھی تھی، مگر ابن الندیم نے اسے نہیں دیکھا، اسے صرف اتنا معلوم ہوا کہ موصل میں کہیں اسکندر افرودیسی کی شرح سوفسطیقا موجود ہے،

وقد حكى انه اصيب بالموصل

یہ حکایت کی گئی ہے کہ اسکندر افرودیسی نے سوفسطیقا

---

[1] الفہرست ص ۳۴۸ [2] ایضاً ص ۳۴۹

تفسیر الاسکندر لهذا الکتاب[1]	کی جو تفسیر لکھی تھی وہ موصل میں پائی گئی،

۳- جالینوس (Galenus) کی مستقل کتابوں کا ذکر اوپر آچکا ہے، انکے علاوہ اس نے "باری ارمیناس" کی بھی تفسیر لکھی تھی، مگر ابن الندیم کے زمانہ میں وہ نادر و نایاب تھی، وہ "الکلام علی باری ارمینیاس" میں لکھتا ہے،

وللجالینوس تفسیر وهو	جالینوس نے باری ارمیناس (کتاب العبارۃ)
غریب غیر موجود[2]	کی تفسیر لکھی تھی جو بہت عجیب ہے مگر ناپید ہے،

۴- فرفوریوس (۲۳۲-۳۰۴)، افلوطین کا شاگرد رشید تھا، اس کی "ایساغوجی" کا ذکر اوپر آچکا ہے، ارسطاطالیسی منطق میں سے اس نے قاطیغوریاس[3] اور باری ارمینیاس[4] کی شرح لکھی تھیں،

۵- ایاملیخس (+ ۳۳۰) نو فلاطونی مکتب فکر کی شامی شاخ کا علمبردار تھا، اسکے بارے میں ابن القفطی لکھتا ہے:

ایاملیخس فیلسوف رومی	ایاملیخس (Jamblicus) ایک رومی
معروف فی وقته متعرض لشرح	فلسفی تھا جو اپنے زمانہ میں مشہور تھا، اس نے ارسطو
بعض کتب ارسطاطالیس	کی بعض کتابوں کی شرح کیطرف توجہ کی تھی،
نقلت کتبه المصنفة فی شیٔ	اس باب میں اس کی تصانیف سریانی
من ذلك الی السریانیة و	میں ترجمہ ہوئیں، جن میں سے بعض عربی
خرج بعضها الی العربیه[5]	میں بھی نقل ہوئیں،

ابن الندیم شراح ارسطو کی فہرست میں ایاملیخس کا ذکر قاطیغوریاس اور باری ارمنیاس

۱ الفہرست ص ۳۴۹ ۲ ایضاً ص ۳۴۸ ۳ ایضاً ص ۳۴۸ ۴ ایضاً ص ۳۴۸.
۵ اخبار العلماء باخبار الحکماء، لابن القفطی ص ۴۴

کے مفسر کی حیثیت سے کرتا ہے،[1] لیکن قاطیغوریاس کی تفسیر کے بارے میں وہ ابوزکریا یحییٰ بن عدی کی رائے کی جانب مائل معلوم ہوتا ہے کہ یہ تفسیر ایاملیخس (Jamblicus) کیجانب منحول ہے[2]

۶- امونیوس: ہرمیاس کا بیٹا اور برقلس (۴۱۱-۴۸۵) کا شاگرد تھا، بہت عرصے تک اسکندریہ میں تعلیم دیتا رہا، وہ افلاطون و ارسطو کی تصانیف کا بہت اچھا شارح تھا،[3] ابن الندیم اسحٰق بن حنین کی تاریخ کے حوالے سے لکھتا ہے:

قال اسحٰق بن حنین فی تاریخه	اسحٰق بن حنین نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ
انه من الفلاسفة الذین	وہ ان فلاسفہ میں سے ہے جو جالینوس
بعد جالینوس[4]	کے بعد تھے.

شراح ارسطو کی فہرست کے ضمن میں ابن الندیم امونیوس کو قاطیغوریاس[5] اور طوبیقا[6] کا مفسر بتاتا ہے، امونیوس نے طوبیقا کے پہلے چار مقالوں کی تفسیر لکھی تھی، یحییٰ بن عدی جس نے طوبیقا کی تفسیر لکھی ہے، یہی کہتا ہے، اور دوسرے ذرائع سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے، چنانچہ ابن الندیم کہتا ہے:

ومن غیر کلام یحیی شرح	یحییٰ کے علاوہ دوسرے ذرائع سے معلوم ہوا
الونیوس للمقالات الاربع	ہے کہ الونیوس نے طوبیقا (کتاب الجدل)
الاول[7]	کے پہلے چار مقالوں پر شرح لکھی تھی.

۷- تامسطیوس: تیسری صدی مسیحی کے اختتام کے قریب تھا، حسب تصریح ابن الندیم یولیانیس المرتد (Julian The Apostate) کا کاتب تھا،

۱-۲ الفہرست ص ۳۴۸ ۳ مختصر تاریخ الفلسفہ یونان ص ۲۹۲ ۴ الفہرست ص ۳۵۵ ۵ ایضاً ص ۳۴۸
۶ ایضاً ص ۳۴۹ ۷ ایضاً ص ۳۴۹

وکان کاتب لیولیانس المرتد الی مذهب الفلاسفة عن النصرانية بعد جالینوس[1]

تامسطیوس (Thamistius) قیصر جولین کا سکریٹری تھا، جو عیسائی مذہب چھوڑ کر فلاسفہ کے مذہب کا پیرو ہو گیا تھا، اور جس کا زمانہ جالینوس کے بعد ہے،

تامسطیوس ارسطو کا شارح اور ایک حد تک انتخابیت پسند (Eclecticist) تھا،[2] ارسطاطالیسی منطق میں سے ابن الندیم اسے قاطیغوریاس،[3] انالوطیقا،[4] ابودیقطیقا[5] اور طوبیقا[6] کا مفسر بتاتا ہے، تامسطیوس نے انالوطیقا کے دونوں مقالوں کی شرح تین مقالوں میں اور[7] ابودیقطیقا کی مکمل شرح لکھی تھی[8] اور طوبیقا کے بعض مقامات کی تفسیر لکھی تھی،[9] کہا جاتا ہے کہ اس نے ابوطیقا (Poeticae) کے متعلق بھی کچھ لکھا تھا، مگر یہ امر مشتبہ ہے، ابن الندیم "الکلام علی ابوطیقا" کے ضمن میں لکھتا ہے:

وقیل ان فیه کلاما لثامسطیوس ویقال انه منحول الیه[10]

کہا گیا ہے کہ ابوطیقا (Poetica) پر ثامسطیوس نے کچھ لکھا ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اس کی طرف منسوب ہے،

۸- الینس [؟] کا ذکر ابن الندیم نے قاطیغوریاس کے مفسرین کے ضمن میں کیا ہے،[11]

۹- سنبلیقیوس: یونانی فلسفہ کے عہد آخر سے تعلق رکھتا ہے، وہ امونیوس اور دمسقیوس کا شاگرد تھا، جب ۵۲۹ء میں قیصر یوسطیان (Justian) نے ایتھنز میں فلسفہ کی تعلیم کو قانوناً بند کر دیا تو دمسقیوس چھ اور ساتھیوں کے ساتھ جن میں سنبلیقیوس (Simplicius) بھی تھا، ہجرت کر کے ایران چلا گیا، لیکن وہاں حالات کو توقع کے خلاف

---

۱ الفہرست ص ۳۵۵ ۲ مختصر تاریخ فلسفہ یونان ص ۲۴۴ ۳ الفہرست ص ۳۴۸ ۴ ایضاً ۵ ایضاً ۶ ایضاً ص ۳۴۹ ۷ ایضاً ص ۳۴۸ ۸ ایضاً ۹ ایضاً ص ۳۴۹ ۱۰ ایضاً ص ۳۵۰ ۱۱ ایضاً ص ۳۴۸

پاکر جلد واپس چلا آیا،[1] سنبلیقوس نے قاطیغوریاس پر شرح لکھی تھی،[2]

۱۰- اصطفن الاسکندرانی کا ذکر ابن ابی اصیبعہ نے جالینوس کی طبی کتابوں کے شارح وملخص کی حیثیت سے کیا ہے، مگر حسب تصریح ابن الندیم اس نے قاطیغوریاس کی تفسیر لکھی تھی،[3] ابن الندیم نے الکلام علی باری ارمینیاس کے ضمن میں "جوامع اصطفن" کا بھی ذکر کیا ہے،[4]

۱۱- ثاؤن (Stheon) کا ذکر ابن الندیم نے قاطیغوریاس کے مفسرین کے سلسلے میں کیا ہے، مگر غالباً ابن الندیم کے زمانہ میں بھی اس کی شخصیت مجہول تھی، چنانچہ "الکلام علی قاطیغوریاس" کے ضمن میں مفسرین قاطیغوریاس کے سلسلے میں کہتا ہے: "ولرجل یعرف بثاؤن"۔[5] ایک اور شخص کی بھی جو ثاؤن (Stheon) کے نام سے مشہور ہے، قاطیغوریاس کی شرح ہے،

۱۲- یحیی النحوی (John The Grammaticus) ابو سلیمان سجستانی کے حوالے (۴۱۱-۴۸۵) سے ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ یحیی النحوی امونیوس کا شاگرد تھا، بلکہ اس نے برقلس کا بھی زمانہ پایا تھا،[6] ابن الندیم کہتا ہے کہ جب حضرت عمرو بن عاصؓ نے مصر کو فتح کیا (۱۹ھ مطابق ۶۴۱ء) تو یحیی النحوی ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور انھوں نے اس کی بہت زیادہ عزت و تکریم کی،[7] اس طول عمر کی وجہ سے جو ایک سو چھپن سال سے زائد ہوتی ہے، ماکس مایرہوف وغیرہ مستشرقین کو عرب مورخین کے بیانات کی صحت میں تامل ہے،[8] بہرحال حسب تصریح ابن الندیم یحیی النحوی نے قاطیغوریاس،[9] باری ارمینیاس،[10] انالوطیقا (تا اشکال حملیہ)[11] اور ابودیقطیقا کی تفاسیر لکھی تھیں،[12]

---

۱ مختصر تاریخ فلسفہ یونان ص ۲۹۳ ۲ الفہرست ص ۳۴۴ ۳ ایضاً ص ۳۴۷ ۴ ایضاً ص ۳۴۸ ۵ ایضاً ۶ طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ ج ۱ ص ۱۰۴ ۷ الفہرست ص ۳۵۶ ۸ التراث الیونانی فی الحضارۃ الاسلامیہ لاکوزبدوی ص ۵۰-۵۱ ۹ الفہرست ص ۳۴۸ ۱۰ ایضاً ص ۳۴۹ ۱۱ ایضاً ۱۲ ایضاً

یحیی النحوی نے فرفوریوس کی ایساغوجی کی بھی شرح لکھی تھی،[۱]

متاخرین یونانی شراح منطق کی منطقی خدمات کے سلسلے میں انکی شروح و تفاسیر ہی کے ذکر پر اکتفا کیا گیا تھا، مگر نجاۃ سے ثاؤفرسطس، اسکندر افرودیسی اور ثامسطیوس کے منکرات کا بھی پتہ چلتا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے۔

قضایا کی تین قسمیں ہیں :- مطلقہ، ضروریہ، ممکنہ

قضیہ مطلقہ کی ماہیت کے باب میں متاخرین شراح ارسطو کے مابین اختلاف تھا۔

۱- ارسطو کے جانشین ثاؤفرسطس اور بعد کے شراح میں ثامسطیوس کی رائے یہ تھی کہ

"قضیہ مطلقہ اسے کہتے ہیں جس میں نہ تو

(۱) حکم کے لیے جہت ضرورۃ کا ذکر کیا جائے، اور

(۲) نہ ہی حکم کے لیے امکان کا ذکر کیا جائے،

بلکہ اسے یونہیں چھوڑ دیا جائے، پس اس صورت میں دونوں باتوں کا جواز ہے کہ

(۱) اس میں حکم بالضرورۃ پایا جائے، یا

(۲) اس میں حکم تو پایا جائے، مگر لا بالضرورۃ (بمعنی لا دائماً)

ب- اسکے برخلاف اسکندر افرودیسی اور دوسرے لوگوں کی (جنکی تصریح شیخ نے نہیں کی) رائے یہ تھی کہ: "قضیہ مطلقہ وہ ہے جس کے حکم میں سوائے جہات اربعہ مذکورہ کے ضرورۃ نہ ہو"۔ بالفاظ دیگر (بالفاظ شیخ بو علی سینا) ان حضرات کے نزدیک قضیہ مطلقہ وہ ہے جس میں حکم موجود ہو لیکن اس پورے عرصۂ زمانی میں کہ ذات محکوم علیہ موجود ہو، بر سبیل دوام اس حکم کا پایا جانا واجب ہو، بلکہ کسی وقت بھی اگر یہ حکم پایا جائے تو قضیہ کو قضیۂ مطلقہ کہنے کے لیے کافی ہے۔

(مزید توضیح کے لیے دیکھیے نجاۃ صفحہ ۲۲-۲۶)

---

[۱] طبقات الاطبا، لابن اصیبعہ جلد اول ص ۱۰۵

فارسی زبان میں صوت شناسی

از جناب ڈاکٹر نذیر احمد صاحب مسلم یونیورسٹی

عربی میں فن تجوید یعنی مخارج حروف سے بحث کا علم بہت پرانا ہے اور اس پر بہت سی کتابیں موجود ہیں، لیکن دوسری زبانوں کے لیے غالباً نیا ہے، مگر اب اس کی تعلیمی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے، اور وہ علم اللسان کا اہم جز ہو گیا ہے اور اس میں وسعت بھی پیدا ہو گئی ہے، یہ موضوع اگرچہ خشک ہے، لیکن اردو میں اس موضوع پر بہت کم لکھا گیا ہے، اس لیے اس کو شائع کیا جاتا ہے، جن لوگوں کو اس کا ذوق ہے، یقین ہے کہ وہ اس کو دلچسپی سے پڑھیں گے۔ "م"

فونیٹک یا صوت شناسی[۱] کا علم جدید ہے، اس کے جامع و مانع تعریف بعض دوسرے علوم کی طرح مشکل ہے، پھر بھی آسان لفظوں میں یوں پیش کیا جا سکتا ہے کہ یہ ایسا علم ہے جس میں اعضائے گفتار کی وضع، خصوصیت اور شکل و تغیرات سے بحث کرتے ہیں، اصوات زبان کا بیان ہوتا ہے، اور ہجا، وزن، آہنگ اور تکیہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے، اصل مضمون شروع کرنے سے قبل اس علم کی بعض اصطلاحات کی توضیح کر دی جاتی ہے،

---

[۱] اس مضمون کی ترتیب میں مجھے تہران یونیورسٹی کے استاد آقائے اختیار الدین منصور کی کتاب "فونتیک یا رفع مشکلات" در تلفظ انگلیسی" سے بڑی مدد ملی ہے، اور ساری اصطلاحیں وہیں سے ماخوذ ہیں،

۱- صوت وہ صدا ہے جو قابل وصف و تقلید ہو۔

۲- اعضائے گفتار، وہ عضو ہیں جن سے گفتار میں مدد ملتی ہے، مثلاً ہونٹ، دانت، تالو، زبان، گلا، حنجرہ وغیرہ،

۳- ہجا- ایک یا چند صوتوں کا وہ مجموعہ جو بلا فاصلہ و بغیر قطع ایک سانس میں ادا ہو جائے، مثلاً باران میں دو ہجا ہیں، اول "با" دوم "ران"

۴- وزن - چند صوت و ضرب کا مجموعہ ہے جن میں نظم و ترتیب ہو، وزن سے مراد ہجاؤں کی تقسیم ہے، جو یا تو باہم مساوی و مشابہ ہوتے ہیں، یا غیر مساوی لیکن عدم تساوی کے باوجود ان میں نظم و ترتیب ہوتی ہے۔

۵- آہنگ وہ موسیقی ہے، جو جملہ میں ہوتی ہے، اور وہ ہجاؤں کے اٹھنے و بیٹھنے (زیر و بم) سے پیدا ہوتی ہے،

۶- تکیہ سے مراد وہ شدت و قوت ہے جو کسی کلمے کے تلفظ کے وقت اس کے کسی ہجا پر ہوتی ہے،

صوت کی تقسیم | ۱- مصوت وہ صوت ہے جس کے تلفظ میں "مسیر ہوا" میں کوئی مانع نہیں پیدا ہوتا اور اس کا راستہ کسی صورت میں بند نہیں ہوتا،

۲- صامت وہ صوت ہے جس کے تلفظ میں "مسیر ہوا" کے کسی حصے میں مانع پیدا ہونے کی بنا پر صوت آزادی کے ساتھ باہر نہیں آسکتی۔

فارسی میں مصوت | فارسی میں چھ مصوت ہیں، جن کو مصوت اصلی کہتے ہیں، ان میں تین بلند اور تین کوتاہ ہیں، بلند مصوت الف، واو، ی کی صورت میں آتے ہیں،

بلند مصوت a [آ] کی مثالیں: بادام، آدم، دانش، عالی، عاقل، حافظ وغیرہ

بلند مصوت ū [واو] کی مثالیں: دو، مو، کوزہ، پوست، گفتگو، ہوش وغیرہ،

بلند مصوت ī [ی] کی مثالیں چیت، نیک، بید، شاہین، کنیم وغیرہ،

یہاں ایک نکتہ کی طرف اشارہ ضروری ہے، موجودہ فارسی لہجے میں واو معروف و مجہول اور یائے معروف و مجہول کا امتیاز ختم ہو گیا ہے، ان کے یہاں کی مجہول آوازیں اب بالکل نہیں ہیں، مثلاً آجکل ایران میں موش اور ہوش کے تلفظ میں واو کی آواز میں کسی قسم کا فرق رکھا نہیں جاتا، اسی طرح شیر بمعنی دودھ اور شیر مشہور حیوان درندہ کا تلفظ ایک ہی طرح ہوتا ہے، ہمارے یہاں واو مجہول اور یائے مجہول دونوں آوازیں برابر پائی جاتی ہیں، مثلاً ہم گوشت اور پوست میں واو کو بطور مجہول تلفظ کرتے ہیں، مگر ایرانی اس کے برعکس کرتے ہیں، اسی طرح بید نیک میں "ی" ہمارے تلفظ کے اعتبار سے مجہول ہے، جبکہ ایرانیوں کے نزدیک اس "ی" میں اور چیست و کیست کی "ی" میں کسی قسم کا فرق ملحوظ نہیں رکھا جاتا، ہمارے رسم خط میں واو مجہول اور یائے مجہول کی (خصوصاً جب وہ درمیان میں آجاتی ہے) چونکہ کوئی الگ علامت نہیں، اس لیے پڑھنے میں خصوصاً مبتدی اور غیر اہل زبان کو بڑی دقت ہوتی ہے، ایران میں اس فرق کو ختم کرکے زبان کی ایک اہم دشواری کو دور کر دیا ہے، لیکن وہاں اس آواز کو ختم کرنے میں کسی خاص تحریک کو دخل نہیں، اس ملک کے ہر گوشے میں گنواروں اور جاہلوں تک کا ایک ہی تلفظ ہے، مگر اس کے ساتھ اس حقیقت کو نہ بھولنا چاہیے کہ مدتوں ایران میں مجہول کی آوازیں رہی ہیں، غالباً قاچاریہ کے بہت بعد سے رفتہ رفتہ یہ آوازیں ختم ہوئی ہیں، پہلوی زبان میں بھی واو اور یای مجہول کی آوازیں برابر ملتی ہیں، البتہ عربوں میں یہ آوازیں عام نہ تھیں۔

بلند مصوت کے سلسلے میں ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ واو، الف، ی حروف کبھی کبھی بطور صامت کے استعمال ہوتے ہیں، اگر یہ متحرک ہوں گے تو مصوت نہیں ہو سکتے، اس لیے ان میں سے کوئی حرف جب کسی تلفظ کا پہلا حرف ہوتا ہے تو وہ صامت ہوتا ہے، مثلاً یار، واوی اور اب میں ی، و اور ا صامت ہیں، اسی طرح "نیاز" میں دوسری "ی" اور "راوی" میں "و" صامت ہیں،

کوتاہ مصوت بھی تین ہیں جو زبر، زیر اور پیش (َ ، ِ ، ُ) کی شکل میں آتے ہیں لیکن اصل کلمے کے اندر ان کی جگہ مخصوص نہیں ہوتی، اس سے یہ فائدہ تو ضرور ہے کہ لفظ کم جگہ میں آجاتے ہیں لیکن مبتدیوں اور غیر ملکیوں کو ہمیشہ بڑی الجھن ہوتی ہے، اور منتہی لوگوں کے تلفظ میں بھی بڑا اختلاف رہتا ہے، جیسا کہ آئے دن کے استفسار اس خیال کے مؤید ہیں، فارسی کے توسط سے یہ چیز اردو میں آئی اور خود فارسی نے اس کو عربی سے لیا تھا، لیکن پہلوی جو فارسی کی ماں ہے، اس میں بھی کوتاہ مصوت اصل کلموں میں شامل نہیں ہوئے، اور اتفاق یہ ہے کہ ان کے یہاں ان کی کوئی صورت بھی تجویز نہیں ہوئی۔

مصوت a (َ) کی مثالیں تن، من، صدا، زدم، پسر، مادر، سر، افسر وغیرہ،

مصوت o (ُ) کی مثالیں تو، کجا، نقطہ، شما، گل، رخ، ظہور، ظلم وغیرہ،

اس مصوت کے تلفظ میں غیر ایرانیوں سے بڑی غلطی ہوتی ہے، خصوصاً ہندوستانیوں سے، انکے تلفظ میں ایرانی "مجہول" کی طرف مائل ہیں، اور غیر ایرانی "معروف" کی طرف، یہی وجہ ہے کہ مستشرقین یورپ نے اس کے لیے انگریزی "u" مقرر کیا ہے، (جبکہ ایرانی اس کو o کی طرح بولتے ہیں) مثلاً کجا کو عام طور پر (Kuja) اور گل کو Gul

محمد کو Muhammud، مگر ایران میں Koja، Gol اور Mohammed لکھیں اور بولیں گے، اور اس طرح کے تلفظ میں عامی اور عالم دونوں شریک ہیں،

مصوت e (ِ) کی مثالیں، پسر، اختلاف، زمزمہ، چہ، جدا، دانش، وغیرہ، اس مصوت کا حال بھی o کی طرح ہے، یعنی ایرانی اس کو مجہول اور غیر ایرانی معروف کی طرح تلفظ کرتا ہے، اسی لیے مستشرقین اس کے لیے "i" اور ایرانیوں نے "e" مقرر کرتے ہیں۔ مثلاً پسر کو عموماً pisar، دانش کو Danish، رضوی کو Rizavi لکھتے ہیں، حالانکہ ایرانی عالم و عامی دونوں pesar، Danesh اور Rezvavi لکھیں اور بولیں گے،

مصوت کی تقسیم ایک اور لحاظ سے بھی ہوتی ہے، یعنی اگلے مصوت اور پچھلے مصوت، اگلے مصوت کے وقت زبان کا اگلا حصہ اٹھتا ہے، اور وہ یہ ہیں a (َ) o (ُ) u (واو) پچھلے مصوت وہ ہیں جن کے تلفظ کے وقت زبان کا پچھلا حصہ اٹھتا ہے اور وہ یہ ہیں a (آ)۔ e (ِ) i (ی)

مصوت کے صحیح تلفظ کے سلسلے میں حسب ذیل پانچ خصوصیات کو ذہن نشین رکھنا چاہیے،

۱۔ زبان کے اٹھنے کی جگہ،

۲۔ مقدار برخاستگی،

۳۔ لبوں کی شکل،

۴۔ ہونٹوں کے درمیان فاصلہ،

۵۔ کشش

جیسا کہ عرض ہو چکا ہے بعض مصوت خلفی (پچھلے) اور بعض قدامی (اگلے) ہیں، خلفی کے تلفظ میں زبان کے پچھلے حصے میں، اور قدامی میں اگلے حصے میں جنبش پیدا ہوتی ہے اور اس جنبش کا احساس انگلی سے ہو سکتا ہے، اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ یہ جنبش بڑی حد تک اضطراری ہوتی ہے، لیکن اس کیفیت کو مصوت کی "ایجاد" میں جو اہمیت حاصل ہے اس سے کسی حالت میں بھی انکار نہیں کیا جا سکتا، مثلاً "کلمہ" کے تلفظ میں جب "ک" اور "ل" کے ملنے کا وقت آتا ہے تو زبان کا اگلا حصہ تالو کی طرف مڑتا ہے اور یہ بڑی آسانی سے محسوس ہو سکتا ہے، یا "دو" کے تلفظ کے وقت زبان کے پچھلے حصہ میں حرکت یا جنبش پیدا ہوتی ہے، گویا مصوت کے جانچنے کے سلسلے کی پہلی خصوصیت (یعنی جاے برخاستگی یا جنبش زبان) کے اعتبار سے مصوت کی طبقہ بندی اگلے اور پچھلے حصوں میں ہوئی ہے،

جنبش زبان کے سمجھنے کے بعد مقدار جنبش کو سمجھنا بہت ضروری ہے، کیونکہ اسکو مصوت کے تلفظ میں بڑا دخل ہے، اور جیسا عرض ہو چکا ہے، کہ جنبش زبان بڑی حد تک اضطراری کیفیت رکھتی ہے، مقدار جنبش بھی اضطراری سی ہے، بہر حال بعض مصوت کے وقت زبان پوری طرح اٹھتی ہے، مثلاً i اور u اور بعض میں آدھی مثلاً e ، o اور بعض میں بالکل نہیں اٹھتی مثلاً ɑ ، a

مصوت کی وہ خصوصیت جس پر بڑی آسانی سے قابو پایا جا سکتا ہے، وہ ہونٹ کی شکل اور دونوں ہونٹوں کے درمیان فاصلہ ہے، اور یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس خصوصیت کو مصوت کی ایجاد میں بڑا دخل ہے، اگر ہونٹ کھلے ہوں تو آواز پھیلے ہوئے ہونٹوں سے بہت مختلف نکلے گی، اور اس سے سننے والوں کو لفظوں کے سمجھنے میں بڑی غلطی ہوگی، مثلاً "آ" کے تلفظ میں منہ کافی کھلتا ہے، اور ہونٹ کسی قدر مدور ہوتے ہیں، اگر منہ کم کھولا جائے

اور ہونٹوں کو قدرے مدور نہ کریں تو آواز بالکل مختلف ہوگی اور مصوت کے سمجھنے میں بڑی غلطی ہوگی، کبھی کبھی اس مصوت کے لیے ہونٹ اور دانتوں کے درمیان ۳ انگل تک فاصلہ ہوتا ہے، ہندوستانیوں کو اس مصوت کے تلفظ میں بڑی زحمت ہوتی ہے، اول ہم منہ بہت ہی کم کھولتے ہیں اور مدور تو بالکل نہیں رکھتے، اس لیے ہماری آواز ایرانیوں کی سمجھ میں بڑی مشکل سے آتی ہے، اس مصوت کے لیے مشق و مزاولت کی ضرورت ہے، ـَ (زبر) کی حالت میں منہ کم کھلے گا (نسبتاً) اور ہونٹ آزاد رہیں گے اور ان پر کسی قسم کا فشار یا دباؤ نہ ہوگا، ہندوستان میں اس کے تلفظ میں ایرانیوں سے کم ہونٹ کھولا جاتا ہے، ہمارے یہاں مصوت کے سلسلے میں ہونٹوں کی شکل اور ان کے درمیان جو فاصلہ ہوتا ہے اس پر بہت کم توجہ دیجاتی ہے، لیکن ایران میں اس کے برعکس ہونٹوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اگر آپ مصوت کی خصوصیات کو جانتے ہوں تو ایرانیوں کے محض ہونٹوں کی شکل سے دور سے بتا سکیں گے کہ وہ کن کن مصوت کا استعمال کر رہا ہے، ہمارے ہونٹ عام طور پر پھیلے رہتے ہیں اور یہ قدرتی بات ہے، لیکن ایرانیوں کے ہونٹ اوپر نیچے برابر کھلتے رہتے ہیں اور اکثر مدور ہوتے رہتے ہیں، اور یہ بات عالم و عامی دونوں کی گفتگو کے موقع پر بہ آسانی دیکھی جا سکتی ہے، پیش (ـُ) کی حالت میں ہونٹ گول ہوں گے اور ان کے درمیان کچھ فاصلہ رہے گا، جبکہ "واو" کی حالت میں یہ فاصلہ نہیں کے برابر ہوگا، مگر دونوں حالتوں میں ہونٹ کسی قدر باہر نکل آئیں گے، "ی" کی حالت میں ہونٹ بالکل پھیل جائیں گے، اور دانتوں کے درمیان بہت کم فاصلہ رہ جاتا ہے، زیر کے وقت ہونٹ پھیلتے تو ہیں مگر دانتوں کے درمیان مقابلۃً فاصلہ رہتا ہے،

مصوت کے جانچنے کے سلسلے میں کشش کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اسی کشش کی بدولت

مصوت کی تقسیم کوتاہ و بلند دو حصوں میں ہوتی ہے، "آ" میں کشش ہوتی ہے، مگر زبر بغیر کشش کے ہے، ی اور زیر میں کشش سے بڑا فرق ہو جاتا ہے، یہی حال واو اور پیش کا بھی ہے، واو اور یائے مجہول کے ختم ہو جانے کے زیر اور ی اور پیش اور واو کے درمیان کی ایک ایک کڑی ختم ہو گئی اور اس لحاظ سے دونوں میں بڑا فرق ہے، اور یہ فرق کشش کی زیادتی و کمی کی بنا پر اور زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے۔

مصوت دو صوتی یا دو ہجائی | مصوت دو ہجائی جس کو انگریزی میں Diphthong کہتے ہیں، دو مصوت سے مل کر بنتے ہیں، انکی حسب ذیل شکلیں ہیں: (۱) au یا aw [= او] لیکن ایرانی ان میں اس کو ow سے تبدیل کرکے دو ہجائی بنالیتے ہیں، مثلاً دَولت کو دُولت (dowlat) خسرَو کو خسرُو (Khosrow) رَوشن کو رُوشن (rowshan) کَوکب کو کُوکب (Kowkab) فردوسی کو فردُوسی (Ferdowsi) بولینگے، بلکہ اب اس مرکب مصوت کو مفرد مصوت میں تبدیل کرنے کی تحریک ہے یعنی Ferdowsi کے بجائے Ferdsi اور Kowkab کے بجائے Kokab بولیں مگر یہ خود قوم کا رجحان ہے، کسی شخص یا جماعت کی طرف سے اس طرح کی کوئی تحریک نہیں۔

(۲) ai یا ay (= اَے) لیکن اس کو بھی ey یا ei کی طرح تلفظ کرتے ہیں، مثلاً مے کو Mey، شے کو shey، کے کو Key، پے کو pey، نے کو ney بولتے ہیں۔

اس مصوت کو مرکب یا دو ہجائی کہنے کی وجہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک دو صامت سے مل کر بنا ہے، پہلا a اور u اور دوسرا a اور i سے ہے،

صامت | فارسی حروف صامت کی طبقہ بندی تین طرح سے ہوئی ہے،

(ا) مخرج کے لحاظ سے،

(ب) اعضائے گفتار کی خصوصیت کے لحاظ سے،

(ج) آواز دار و بے آواز ہونے کے لحاظ سے،

مخرج کے لحاظ سے صامت کی حسب ذیل صورتیں ہیں،

[۱] لبی۔ (أ) دولبی۔ ان کا مخرج دونوں ہونٹ ہیں۔ ب۔ پ۔ م

(ب) لبی و دندانی۔ جو ہونٹ اور دانت کے ملنے سے پیدا ہوتے ہیں ف۔ و

[۲] لثوی۔ نوک زبان کے دانتوں کے اندرونی مسوڑھوں سے ملنے سے یہ آواز پیدا ہوتی ہے، ایسے حروف کی تعداد بہت زیادہ ہے: ت، ط، د، ذ، ز، ض، ظ، ث، س، ص، ش، ل، ن، ر

[۳] کامی و پیشکامی۔ زبان جب تالو سے ملتی ہے تو یہ صوت پیدا ہوتی ہے۔ "ی"

[۴] ملازی۔ زبان کے نرم تالو سے ملنے پر یہ صدا پیدا ہوتی ہے، مثلاً ک۔ گ

[۵] حلقی۔ ان کا مخرج حلق ہے۔ ح، خ، ہ، ع، غ، ق، ء

خصوصیات اعضائے گفتار کے لحاظ سے صامت کی حسب ذیل صورتیں معمول ہیں:

[۱] انسدادی۔ اس قسم کے صامتوں کے تلفظ میں اعضائے گفتار میں مانع پیدا ہو جاتا ہے، اور آواز پھنس کر نکلتی ہے، مثلاً ب، پ، ت، د، ک، ق، ع، غ، ء۔ ان حرفوں کا تلفظ ہمارے یہاں بہت مختلف ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ کہ ہمارے یہاں حروف انسدادی کی الگ ایک بڑی فہرست ہے جو ہندی حروف تہجی سے ماخوذ ہیں، مثلاً بھ، پھ، تھ، تھ، چھ، وغیرہ۔ بڑی حیرت اس پر ہے کہ ایرانی اور عرب انسدادی حرفوں کے ادا کرنے سے قاصر تھے، چنانچہ ہندوستان کے بعض لفظ

جو ان کی زبانوں میں چلے گئے، ان میں حروف انسدادی سادہ کر دیے گئے تھے، مگر آجکل کے لہجے میں بڑی تعداد میں ایسی آوازیں موجود ہیں جو ہمارے یہاں کی بھ، پھ سے ملتی ہیں اور ہندوستانیوں کے لیے ایرانی لہجہ میں ب، پ، ت کا تلفظ جس قدر مشکل ہے اسکے اظہار کی ضرورت نہیں،

[۲] کناری - جب زبان دانتوں کے مسوڑھے سے لگتی اور ہوا ہونٹ کے کنارے سے خارج ہوتی ہے، تو یہ صامت پیدا ہوتا ہے، اس کی مثال بہت شاذ ہے، جب لام منطبق کلمہ کے آخر میں آتا ہے تو بصورت کناری ہوتا ہے،

[۳] خیشومی - مجرائے دہاں کے بند ہونے سے جب ہوا ناک سے نکلتی ہے تو یہ صامت پیدا ہوتے ہیں، مثلاً م، ن

[۴] سایشی - اس طرح کے صامت کے ادا کرتے وقت اعضائے گفتار میں سیٹی کی سی آواز پیدا ہوتی ہے اور وہ یہ ہیں: ث، س، ص، ش، ذ، ز، ض، ظ، ف، و، ر، ہ، ح

[۵] انسدادی سایشی، اسی طرح کے صامت شمارہ اول وچہارم کی خصوصیت رکھتے ہیں، ج، چ

آوازدار اور بے آواز صامت | آوازدار صامت کے تلفظ کے وقت صوتی تاروں میں لرزش ہوتی ہے، یہ صوتی تار حنجرہ میں دو ہونٹ کی شکل میں پائے جاتے ہیں، اس لرزش کے جانچنے کی صورت یہ ہے کہ دونوں کانوں میں انگلی ڈالکر صامتوں کو دہرائیں، اگر وہ باآواز ہے تو صوتی تاروں کی لرزش کی صوت میں سر میں آواز گونجے گی، اور اگر بے آواز ہے تو آواز نہ گونجے گی، پ، ت، خ، س، ش، ک، ف وغیرہ بے آواز صامت اور ب، د، ڈ، گ، ن، و وغیرہ بے آواز دار صامت کی مثالیں ہیں[۱]،

---

[۱] جب کسی لفظ میں آوائی اور بے آوائی صامت ایک ساتھ قریب واقع ہو جاتے ہیں تو بے آواز والا حرف آوازدار حرف کی طرح تلفظ ہوتا ہی، مثلاً پ، ب میں، ک گ میں، ف و میں، س، ز میں، ش، ژ میں

بقیہ حاشیہ ص ۳۷۰ پر)

تکیہ (stress) کے عام قاعدے[۱] | اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ لفظوں کے تلفظ کرتے وقت بعض ہجاؤں پر زور دیا جاتا ہے، اسی کو تکیہ یا فشار کہتے ہیں، اگر ہجا کی اس شدت و قوت کا خیال نہ کیا جائے تو کلام کا اثر باطل ہو جاتا ہے، بلکہ بسا اوقات مفہوم بدل جاتا ہے، اسی خیال سے تکیہ کو کلمہ کی جان کہا جاتا ہے، ہر زبان میں تکیہ کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہوتی ہے، مگر بعض زبانوں میں اس کے قاعدے متعین نہیں ہوئے ہیں، ان میں ایک بدقسمت زبان اردو بھی ہے، اب چونکہ لوگ صوت شناسی کی طرف مائل ہو رہے ہیں، امید ہے کہ یہ کمی غالباً دور ہو جائے گی، فارسی زبان میں تکیہ کے مخصوص قاعدے ہیں، جن کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے، یہ ملحوظ رہے کہ کوئی ایرانی ان قاعدوں کو پیش نظر رکھکر کوئی بات چیت نہیں کرتا، بلکہ غیر شعوری طور پر اس کی گفتگو میں یہ سارے اصول پائے جاتے ہیں۔

[۱] اسم میں آخری ہجا پر تکیہ یا زور ہوتا ہے، مثلاً پسر pesár، آفتاب Aftab میں "سر" اور "تاب" پر زور دیا جائے گا، صفت میں بھی اسی اصول کی پابندی ہوتی ہے: مثلاً پسندیدی (pasandide) میں آخری ہجا "دہ" "تکیہ دار" ہے،

[۲] حالت ندا میں اسم کے پہلے ہجا پر زور دیا جاتا ہے، مثلاً اس جملہ میں حسن، اینجا بیا، میں حسن کے ہجائے اول پر تکیہ ہوگا، Hasan

[۳] حالت جمع میں علامت جمع پر تکیہ ہوگا، مثلاً پسران pesaran درختہا dara khtaha،

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۹) ت، د میں تبدیل ہو جاتے ہیں، (ملاحظہ ہو مجلہ دانشکدۂ ادبیات شمارہ ۳ سال اول ص ۵۸)

[۱] تکیہ کی بحث کے سلسلے میں مجھے ڈاکٹر خانلری استاد دانشگاہ تہران کی اہم کتاب "تحقیق انتقادی در عروض فارسی" (چاپ دانشگاہ، تہران) سے بڑی مدد ملی ہے،

[۴] حالت مفعولی سے اسم کے تکیہ میں فرق واقع نہیں ہوتا، مثلاً اس جملہ میں پسر را دیدم pesar ra didam، پسر کے آخری ہجا پر تکیہ ہے،

[۵] حالت اضافی میں اسم کے آخری ہجا پر تکیہ ہوگا، مثلاً پسر خوب pesar-i-khub میں پسر کے آخری ہجا پر زور ہے۔

[۶] اسم معنی میں بھی آخری ہجا پر تکیہ ہوگا، مثلاً پدری pedari، شاہی shahi، لیکن یائے تنکیر یا وحدت کی حالت میں "ی" پر تکیہ نہیں ہوگا، اور اسی تکیہ کی بنا پر یائے مصدری اور یائے تنکیر اور وحدت میں فرق ہوتا ہے، مثلاً shakhshi (شخصی)، mardi (مردی) میں یائے مصدر اور یائے تنکیر دونوں مراد لیے جا سکتے ہیں، یعنی شخصی کے معنی ذاتی اور ایک یا کوئی شخص دونوں ہو سکتے ہیں، اور مردی بمعنی بہادری اور ایک یا کوئی مرد مستعمل ہے، ویسے چونکہ ہمارے ہندوستان میں یائے معروف اور مجہول کا فرق ہوتا ہے، اس لیے ہم یائے مصدر کو معروف (ی) اور تنکیر اور وحدت کو مجہول (ے) طور پر لکھکر یہ فرق واضح کر لیتے ہیں، مگر ایران میں یائے مجہول کا فقدان ہے، اس لیے صرف آواز کے فشار سے دونوں کے فرق کو واضح کرتے ہیں، یائے مصدری کی حالت میں اسم کے آخری ہجا پر زور دیں گے یعنی shakhshí، mardí بولیں گے، اور یائے تنکیر یا وحدت میں آخری ہجا سے پہلے کی ہجا پر یعنی shákhshi، márdi پڑھیں گے۔

[۷] حروف عموماً بے تکیہ ہوتے ہیں، مگر سوائے حروف استفہام کے، مثلاً اس بیت میں

کہ گفت برو دست رستم ببند   کہ دستت نبندد سپہر بلند

پہلے مصرعہ کی "کہ" پر زور دیا جائے گا اور دوسرے مصرعے میں یہی حرف

سادہ طور پر پڑھا جائے گا، البتہ بعض حروف استفہام دو ہجائی ہوتے ہیں، ان کو دونوں طرح پر پڑھ سکتے ہیں، مثلاً کدام Kodam اور کجا Koja، میں خواہ پہلی ہجا پر زور دیں خواہ دوسری پر، دونوں جائز ہوگا، مثلاً Kódam یا Kodam

[۸] حسب ذیل کلمے ایسے ہیں جن میں پہلی ہجا پر تکیہ ہوتا ہے:

اگر، مگر، ولی، اما، لاکن، بلکہ، ہرچہ، انچہ، انکہ، اینکہ وغیرہ،

[۹] اسم اشارہ پر ہمیشہ تکیہ دیا جاتا ہے: مثلاً این مرد in mard

[۱۰] ضمائر منفصل پر ہمیشہ تکیہ ہوتا ہے، لیکن متصل پر تکیہ نہیں ہوتا، نہ حالت مفعولی اور نہ اضافی میں، مثلاً Zádamat زدمت، (میں نے تم کو مارا) کتابش Katábash (اس کی کتاب)

[۱۱] افعال میں تکیہ کے حسب ذیل قاعدے مستعمل ہیں:

(الف) ماضی مطلق (واحد غائب) آخری ہجا پر مثلاً پسندید pasandíd
بقیہ تمام حالتوں میں ہجائے ماقبل آخر مثلاً pasandíddan، پسندیدی pasandídi، پسندیدید pasandídid، پسندیدم pasandídam، پسندیدیم pasandídem۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حالتوں کی مختلف علامتیں یعنی 'ند'، 'ی'، 'ید'، 'م' اور 'یم' تکیہ قبول نہیں کرتیں، البتہ اگر ماضی مطلق پر بائے زینت آجائے تو اس "ب" پر تکیہ ہوگا، مثلاً بپسندید bépasandid پڑھیں گے،

(ب) ماضی استمراری میں "می" پر زور دیتے ہیں مثلاً میرفت mírafat

(ج) ماضی قریب (نقلی) اور بعید میں اسم مفعول پر تکیہ ہوتا ہے، یعنی rafte ast

(رفتہ است) اور rafte - bud (رفتہ بود) میں "تہ" پر تکیہ ہے، لیکن ماضی قریب سوائے صیغۂ واحد غائب کے پڑھنے کی حالت میں بالکل ماضی مطلق جیسا معلوم ہوتا ہے، شنیدہ اند، شنیدہ ای، شنیدہ اید، شنیدہ ام، شنیدہ ایم، میں "ہ" اور "الف" کی آواز حذف ہو جاتی ہے، ایسی حالت میں صرف تکیہ ہی سے ان دونوں فعلوں کا تعین ہوتا ہے، ماضی مطلق میں ہجائے ماقبل آخر پر تکیہ ہوتا ہے، لیکن ماضی قریب میں ہجائے آخر پر ہوگا، مثلاً Shanidand (شنیدند) ماضی مطلق (جمع غائب) ہے، اور Shanidánd (شنیدہ اند) ماضی قریب (جمع غائب) اسی طرح اور دوسرے صیغے ہیں۔

(د) مضارع میں آخری ہجا پر تکیہ ہوتا ہے، مثلاً بینم binám مگر بائے زینت اور فعل حال کی شکل میں اول ہجا پر مثلاً ببینم be-binam اور می بینم m binam

(ی) امر اگر بغیر حرف زینت (ب) کے آئے تو آخری ہجا پر ورنہ پہلی، مثلاً پسند pasánd اور بپسند bé pasand

(ف) نہی میں پہلی ہجا پر مثلاً مرو ma rau (ایرانی لہجے میں márow)

(گ) مستقبل دو فعلوں سے مل کر بنتا ہے، اس کا پہلا جزو مضارع اور دوسرا ماضی ہوتا ہے، گردان کی حالت میں جزو اول یعنی مضارع میں تبدیلی واقع ہوتی ہے، اور جزو دوم ہمیشہ ماضی مطلق سوم شخص مفرد (واحد غائب) ہوتا ہے، مضارع کی حالت میں ہجائے آخر پر تکیہ ہوتا ہے، اور ماضی مطلق میں صرف واحد، غائب حالت میں آخری ہجا پر، اس لیے مستقبل کے دو جزوں پر تکیہ ہوتا ہے، اور دونوں کی آخری ہجاؤں پر، مگر جزو اول

پر تکیہ شدید طور پر آتا ہے، جبکہ جزو دوم میں اتنا شدید نہیں ہوتا، مثلاً خواہم پسندید، Khwaham pasandid

اوپر کی مثالوں سے واضح ہوگا کہ اگر فعل پر کسی قسم کا پیشوند (سابقہ) ہے تو فعل کا تکیہ اس پر منتقل ہو جائے گا، جیسے درگذشت، برآمد، درآمد وغیرہ، لیکن اگر یہ فعل نما لفظ اسم ہو جائیں تو ان پر اسم کے قاعدہ کے مطابق تکیہ ہوگا، درگذشت (موت) اور درآمد (آمدنی) بطور اسم بھی مستعمل ہیں، ایسی حالت میں درگزشت، درآمد بولیں گے، اگر فعل مرکب ہے، جس کا ایک جزو اسم ہے، تو اس پر تکیہ بقاعدہ اسم آئیگا، مثلاً تعطیل شد وغیرہ،

ہم کو معلوم ہے کہ اسمائے اشارہ این و آن پر تکیہ ہوتا ہے، لیکن جب یہ دوسرے کلمے سے ملتے ہیں تو تکیہ کی جگہ بدل جاتی ہے۔ مثلاً ہمان، ہمین، لیکن ... چنان اور چنین میں جزو آخر ہی پر تکیہ ہوگا،

اگر تکیہ کے ان اصول کو مدنظر رکھ کر نظم یا نثر کو پڑھا جائے تو ہمارے لہجے میں خاصہ تغیر محسوس ہوگا، اور ساتھ ہی اگر جملے کے آہنگ کے اصول بھی پیش نظر ہوں، تو اس سے لطف کلام دوبالا ہو جائے گا، مگر اس میں بڑی مشق کی ضرورت ہے، اگر ہمارے لہجے میں بے ساختگی نہ ہوگی تو پھر پڑھنے کا لطف مطلق نہ آئے گا، البتہ ان اصولوں کو پیش نظر رکھنے کے بعد ایرانیوں کی گفتگو سے لطف اندوز ضرور ہو سکتے ہیں،

ملک الشعرا اختر کا غیر معروف کلام

از جناب بشیر الحق صاحب دیسنوی

صوبۂ بہار کے کئی اضلاع کی بعض بعض بستیوں میں شطاری شیوخ و سادات کے اکثر خاندان آباد ہیں، ان ہی بستیوں میں دو مقام جنداہا متصل حاجی پور اور بنیا بسارہ ضلع مظفر پور ہیں، جنداہا کے بزرگوں میں حضرت مخدوم شیخ علی شطاری قدس سرہٗ، حضرت شاہ محی الدین شطاری قدس سرہٗ اور حضرت شاہ حسین علی شطاری قدس سرہٗ بہت مشہور گذرے ہیں، بنیا بسارہ کے بزرگوں میں حضرت قاضن شطاری علیہ الرحمہ بڑے پایہ کے بزرگ تھے، جن کا مزار بنیا بسارہ میں مرجع خاص و عام ہے، اسی بنیا بسارہ کے ایک بزرگ شیخ محمد گدائی شطاری بنیا بسارہ سے ہجرت کرکے رسول پور فتح پرگنہ بسارہ تھانہ مہوا ضلع مظفر پور میں آباد ہو گئے تھے، شیخ محمد گدائی شطاری کے خاندان کے لوگ ابھی تک وہاں آباد ہیں، اس خانوادہ کے ایک صاحب شیخ خدا بخش شطاری بن شیخ دوست محمدؐ گذرے ہیں، شیخ خدا بخش شطاری کو خدا نے عقل معاش بہت دی تھی، آپ کچھ دنوں مہاراجہ بنارس کے دامنِ دولت سے وابستہ رہے، پھر ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں داخل ہو گئے، اور اس کے ذریعہ کمال عزت و وقار اور آسودگی حاصل کی اور نوے ۹۰ سال کی عمر میں ۱۲۴۵ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا،

شیخ خدا بخش شطاری کے بیٹے شیخ مولا بخش شطاری اپنے وقت کے نامی گرامی لوگوں میں تھے، اپنی کارکردگی اور گورنمنٹ انگلیشیہ میں رسوخ کی بنا پر وہ ۱۸۶۶ء میں خان بہادر اور

۱۸۶۶ء میں نجم الہند (سی، ایس، آئی) کے خطابات سے سرفراز ہوئے تھے، وہ کان پور میں سررشتہ دار یعنی دیوان تھے، اس لیے عام طور پر وہ دیوان مولا بخش کے نام سے مشہور ہیں، غدر ۱۸۵۷ء کے زمانے میں وہ عظیم آباد میں ڈپٹی مجسٹریٹ بھی رہے تھے،

جن دنوں دیوان مولا بخش کان پور میں سررشتہ دار تھے، اسی زمانے میں قاضی محمد صادق خاں اختر وہاں تحصیلدار تھے، اور دیوان صاحب موصوف سے ان کے بڑے گہرے مراسم تھے، ۱۲۴۷ھ میں دیوان صاحب کے خلف اکبر امیر حسن خاں شطاری کی ولادت ہوئی تو حضرت اختر نے اس کی تہنیت میں ایک قصیدہ اور قطعہ تاریخ فارسی میں اور ایک چھوٹی سی مثنوی اردو میں کہی تھی، مثنوی کے آخری شعر سے بھی تاریخ ولادت نکلتی ہے۔

دیوان صاحب ۱۲۸۲ھ میں فریضۂ حج ادا کرنے گئے، وہاں سے واپسی میں علاقہ گوالیار میں قریب چھاؤنی گونا ۸ ربیع الاول ۱۲۸۳ھ کو ان کا انتقال ہو گیا اور وہیں مدفون ہوئے ؎

کعبہ کی ہے ہوس کبھی کوے بتاں کی ہے

مجکو خبر نہیں مری مٹی کہاں کی ہے

امیر حسن خاں شطاری ولد دیوان مولا بخش شطاری کے دو بیٹے تھے:

(۱) حکیم ہادی حسن خاں شطاری متخلص بہ نایاب شاگرد اسیر لکھنوی؛

(۲) مہدی حسن خاں شطاری متخلص بہ شاداب شاگرد امیر مینائی۔

نایاب کا اردو دیوان زیور طبع سے عرصہ ہوا آراستہ ہوا تھا، مگر اب نایاب ہے، اس کا ایک نسخہ کتب خانہ الاصلاح دیسنہ میں محفوظ ہے،

حکیم ہادی حسن خاں شطاری کے تین بیٹے تھے، اور تینوں بڑے ذی علم، بڑے اعجاز حسن خاں عرف عطاء اللہ، منجھلے ریاض حسن خاں متخلص بہ دانش، در فارسی و خیال در ریختہ شاگرد

امیر مینائیؔ، اور منجھلے ابو الحسن خاں متخلص بہ نیساں، شاگرد امیر مینائیؔ،"

ملک الشعراء قاضی محمد صادق خاں اخترؔ ولد قاضی محمد لعل ہوگلی (بنگالہ) کے رہنے والے قتیلؔ کے جید شاگردوں میں تھے، کچھ دنوں غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ کے زمانے میں خوش حالی سے زندگی بسر کی اور محامد حیدریہ کے نام سے ایک کتاب غازی الدین حیدر کی تعریف میں لکھی، آخر زمانہ میں واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کے یہاں رسائی ہوگئی تھی، اس لیے لکھنؤ کو وطن بنا لیا تھا، اور غازی الدین حیدر نے ملک الشعراء کے خطاب سے سرفراز کیا، ان کو اکثر فنون میں خصوصاً شعبدہ بازی میں کمال حاصل تھا، تبحر علمی کے علاوہ فن سخن ودقائق شعر میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے، ان کا کلام عنقا کا حکم رکھتا ہے، مندرجۂ ذیل کتابیں انکی تصنیفات سے ہیں:

(۱) لوامع النور فی وجوہ المنشور، انشاپردازی میں۔ (۲) دیوان فارسی (۳) دیوان اردو (۴) تذکرہ آفتاب عالم تاب۔ ۴۷۲۴ فارسی شعرا کا تذکرہ، (۵) نور الانشاء (۶) گنج نیرنج وغیرہ چند کتابیں اور بھی ہیں،

حضرت اخترؔ غدر کے بعد ۱۲۷۳ھ میں پیوند خاک ہوئے،

ملک الشعراء اخترؔ کی شہرت کا دامن زیادہ تر ان کے ایک اردو قطعہ کے ساتھ وابستہ ہے، جو ہر پڑھے لکھے صاحب ذوق کی زبان پر ہے ؎

کل ہی کے شیخ مجتہد عصر ساقیا   دکھلا کے باغِ سبز عذاب و ثواب کا
کہنے لگا زراہ تبختر مجھے بہ طنز   معلوم ہوگا حشر میں پینا شراب کا الخ

حضرت اخترؔ کے مذکورہ فارسی قصیدہ میں ۴۵ اور فارسی قطعۂ تاریخ میں صرف ۱۳ اشعار ہیں، جو درج ذیل ہیں:

قصیدہ

بادِ نوروز گلفشاں آمد   برگ عشرت بہ بوستاں آمد
مژدہ آوردہ پیکِ بادِ سحر   کہ دگر گل بہ گلستاں آمد
غنچہ تا سر بروں کشید از شاخ   شکرِ حق گو بصد زباں آمد
موجِ گل را ز جوشِ نشو و نما   پائے بر فرقِ فرقداں آمد
مژدہ بادا بشاہ گل کہ شکست   باز بر لشکرِ خزاں آمد
بادِ نوروز در چمن جنبید   ابرِ رحمت گہر فشاں آمد
زینت افزائے تختگاہ حمل   مقدمِ شاہ خاوراں آمد
مرغِ گلشن بدیں ترانہ تر   در چمن باز نغمہ خواں آمد

مطلع ثانی

آب در جوئے بوستاں آمد   رنگ بر روئے ارغواں آمد
کرۂ زمہریر ناری شد   ز آتشِ گل کہ بے دخاں آمد
از درِ شبنم و زمردِ برگ   بوستاں رشکِ بحر وکاں آمد
بادِ اعجاز عیسوی بنمود   در تنِ خاکِ مردہ جاں آمد
بسکہ ز د سبزہ جوشِ نشو و نما   خاک ہم رنگِ آسماں آمد
موجِ گل تا نشیمنِ بلبل   ہمچو معشوق مہرباں آمد
گل بکف زر گرفتہ بہرِ نثار   پیشِ مخدومِ انس و جاں آمد
فخرِ دوراں جنابِ مولا بخش   کہ دلش بحرِ بیکراں آمد
از عطایش غریقِ آبِ گہر   گنبدِ سبزِ آسماں آمد

سایۂ دست رافتش بجہاں ابر احسان و امتنان آمد

ہر کجا نامِ پاک او بردند گوش منت کشِ زبان آمد

لطف او شد کفیل راحتِ خلق رافتش امن را ضمان آمد

نگہ قہرش از پئے دشمن دشنہ و خنجر و سنان آمد

رفعتِ بام قصر جاہش را اوجِ نُہ چرخ نردبان آمد

سالکانِ رہ خلافش را سود سرمایۂ زیان آمد

ہر سر موئے بر تن خصمش کارد گشت و بہ استخوان آمد

تیر او گر نشانہ اش عنقاست بے خطا بر سرِ نشان آمد

نشتر خامہ اش بزعم کمال بر رگِ جانِ دشمنان آمد

فارسِ فکرتِ رزینش را نُہ فلک گوئی صولجان آمد

یا نسیم بہار گلگونش گہ بہ پویہ ہمعنان آمد

شحنۂ پاس نصفت و عدلش تا بہ آفاق پاسبان آمد

ماہ را کاست تن گراز دستش چاک در جامۂ کتان آمد

اے امیرے کہ رفعتِ شانت آنسوِ اوجِ آسمان آمد

ذرہ ذرہ ز خاک درگہ تو دُرِّ تاجِ سرِ سران آمد

کوکب طالعِ بلند ترا اوجِ اقبالِ تو امان آمد

گوشۂ ابروِ تو یا مولیٰ مُفتح کارِ بستگان آمد

کرمت بسکہ عام شد بجہاں کاسۂ فقر بحرد کان آمد

تیغ اگر آختی بہ گاوِ زمیں شیر گردوں بہ الاماں آمد

گر گلے در حمایتت جا کرد ایمن از لطمۂ خزاں آمد

شرحِ عز و وقار رفعتِ تو برتر از فکرت و گماں آمد

رقم مدحتت کہ حدش نیست خارج از قوتِ بناں آمد

ذکر وصفت کہ نیست پایانش نہ باندازۂ بیاں آمد

حرف نظم من ز مدحتِ تو چوں گہر در بہا گراں آمد

شکر حق را کہ در زمینِ سخن سعی اختر نہ رائیگاں آمد

حبذا بختِ من کہ نظم مرا طبع والات قدرداں آمد

منم آں عقل کل کز اوصافت خامہ ام وحی ترجماں آمد

ہمہ داں آں ظہیر فارابی پیش من طفلِ عشر خواں آمد

زانکہ من مدح سنجِ مولایم او ثنا خوانِ ارسلاں آمد

در دعوت ز نظم کز مدحت تا ابد بر نمی تواں آمد

تا تواند ز حجلہ گاہ زمیں مہر بر تختِ آسماں آمد

شادمانی کہ از عنایتِ تو ہمہ آفاق شادماں آمد

واں جگر گوشۂ کز عنایتِ حق در کنارت بعز و شاں آمد

پسرے کز کمال عز و شرف نازش و فخر دوداں آمد

بسکہ عالم بخویشتن بالید تا وجودش دریں جہاں آمد

نقطہ با سطح می زند پہلو قطرۂ بحر بیکراں آمد

قطعۂ ہر سال میلادش

از دلم بر سر زباں آمد

قطعۂ تاریخ

محسنِ ما جنابِ مولیٰ بخش — آنکہ چرخش مطیعِ جاہ آمد

آں کہ از محضرِ سخاوتِ او — حاتمِ طے یکے گواہ آمد

آں کہ ہنگامِ وصفِ دانشِ وے — ارشمیدس نہ در نگاہ آمد

آں رفیعے کہ پیشِ ایوانش — نُہ فلک سطحِ بارگاہ آمد

سایۂ مہربانی و کرمش — بر سرِ بیکساں پناہ آمد

بتمنائے مقدمِ فرزند — دیدۂ او چو فرشِ راہ آمد

جوش زد بحرِ لطفِ یزدانی — چرخِ بے مہر عذر خواہ آمد

در کنارش بیمنِ فضلِ الٰہ — پسرے رشکِ مہر و ماہ آمد

مشتری طالع و فریدوں بخت — عرش مقدار و جم سپاہ آمد

بختمندے رسید در عالم — خوش نصیبے بجلوہ گاہ آمد

نورِ رخسارۂ منورِ اُو — سرِ خورشید را کلاہ آمد

بِعد الحمد کایں نوید نشاط — راحت افزا و رنج کاہ آمد

سالِ تاریخِ مقدمش این ست

نوگلِ باغِ عز و جاہ آمد

۱۲۴۶ھ

مندرجۂ بالا فارسی قصیدہ اور قطعۂ تاریخ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت اختؔر کو فارسی زبان اور اس کی شاعری پر پوری قدرت حاصل تھی،

مثنوی

کہاں شکرِ خالق ہو ہم سے ادا — کہ الطاف ہیں اس کے بے انتہا

اگر ہو مرا ہر سرِ مو زباں — نہو ایک بھی شکر اس کا بیاں

وہ ایسا ہے خلاقِ ارض و سما — کرم ہم سبھوں پر ہیں جسکے سدا

کہو کس پر اسکی عنایت نہیں — عنایت کی اُس کی نہایت نہیں

ہیں اس کے بہت گرچہ لطف و کرم — پر اس شکرِ احسان سے قاصر ہیں ہم

کہ مولیٰ و محسن جو میرا ہے ایک — صفات اسکے جو دیکھیے سب ہیں نیک

بخلق و بلطف و بجود و سخا — نہیں اس کا ثانی کوئی دوسرا

مہِ اوجِ اقبال و عز و وقار — فلک قدر و جم حشمت و کامگار

وہ ہے گوہرِ تاجِ عز و شرف — وہ ہے درِّ یکدانۂ نُہ صدف

اسے آرزو بھی جو فرزند کی — جگر گوشہ و پورِ دل بند کی

سو خالق نے کی اسکی حاجت روا — دیا ایک فرزند اسے مہ لقا

وہ فرزند ایسا پری زاد ہے — کہ حسن اس کا حسنِ خداداد ہے

جبیں آیتِ نورِ فضل و کمال — دو ابرو ہیں عیدین کے دو ہلال

دو آنکھیں جو ہیں نورِ چشمِ فلک — نہ پہنچے کبھی چشمِ بد اُس تلک

وہ مژگاں جو ہیں چنگلِ شاہ باز — سدا ان کی عاشق ہے عمرِ دراز

وہ عارض کہ گل جس سے شرمندہ ہو — قمر اس کے آگے نہ تابندہ ہو

وہ بینی اگر منبرِ کعبہ ہے — تو رخسار بھی ہمسرِ کعبہ ہے

دہن اس کا ہو درجِ درِّ خوش آب — لب اس کے ہیں ہم رنگِ لعلِ مذاب

دُرِ گوشش پر کی جو اس کے نظر — صدف کے ہوئے کان اسے دیکھکر

بیاضِ گلو صبحِ زریں لباس — بر و دوش میں خرمنِ گل کی باس

غرض ہے سراپا وہ فرخ نژاد — کوئی وصف کی اسکے کیا دیوے داد

الٰہی یہ جب تک ہو گرداں سپہر — فروزندہ جب تک رہے ماہ و مہر

یہ باغِ کرم کا جو ہے نونہال — کیا باغِ ہستی کو جس نے نہال

اسے بخشیو تو حیاتِ دراز — دو عالم میں رکھیو اسے سرفراز

کبھی رنج و غم اس کے دل پر نہو — کوئی بخت و دولت میں ہمسر نہو

بعزت یہ جیتا رہے نورِ عین — رہے اپنے ماں باپ کے دل کا چین

معزز یہ ایسا ہو اور بختیار — کہ دنیا میں ہو فخرِ خویش و تبار

ہمیشہ رہے خوش دل و شادکام — بحقِ محمد علیہ السلام

یہ اختر جو ہے مخلصِ جاں نثار — اسی مژدہ کی تھی اُسے انتظار

سنی جب یہ اُس نے خوشی کی خبر — کہ پیدا ہوا وہ گرامی گہر

شگفتہ ہوا مثلِ گل باغ باغ — ملا دل کو اس کے الم سے فراغ

ہوا سینہ اُس کا چمن زارِ عیش — کیا گرم خوب اس نے بازارِ عیش

دل اُس کا جو از بسکہ شاداں ہوا — تو اُس دم خوشی سے بطرزِ دعا

کہی ایسی تاریخ اس نے کہ بس

جیو میرے پیارے کروڑوں برس

۱۲۳۶ھ

امیر حسن خاں شطاری نے جن کی ولادت ۱۲۳۶ھ میں ہوئی تھی، ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ کو بمقام دیوان محلہ مینٹی انتقال کیا اور موضع چک مجاہد تھانہ تھوا ضلع مظفر پور میں سپرد خاک ہوئے۔

ادبیات

نعت فارسی

از جناب کریم الرضا خانصاحب وکیل شاہجہانپور

محمد باعثِ تکوینِ عالم — محمد سرّے از اسرارِ آدم

مقامش برتر از پروازِ جبریل — سرِ افلاکیاں پیشِ درش خم

لباسش از گلیمِ پارہ پارہ — نگہ فخرِ کلاہِ قیصر و جم

طعامش نانِ جو با شیرِ اشتر — ولے عزمش کمندِ عرشِ اعظم

وجودش رحمۃٌ للعالمینے — بشیر آمد او از ابن مریم

صدائے لی مع اللہ از لبِ او — جہانِ ماسوا را کرد برہم

نگاہش پردہ دارِ رازِ فطرت — دلش آسودۂ ایقانِ محکم

حقایق بر ضمیرش آشکارا — مگر سعیِ تلاشِ حق نشد کم

نگاہش بر تجلیاتِ باری — دلش در خدمتِ اولادِ آدم

دو عالم در دلش گنجید لیکن — دلِ او می نگنجد در دو عالم

مپرس از من تجلیہائے ذاتش — بپرس از نوریانِ عرشِ اعظم

چہ گوید عقل زاں ذاتے کہ باشد — نہادش خاک و او نورِ مجسم

کجا ذاتش کجا تابِ ستایش

کہ مدحش کرد خود ربِّ دو عالم

باب التقریظ والانتقاد

رسالوں کے خاص نمبر

فاران کا توحید نمبر - مرتبہ جناب ماہر القادری، ضخامت ۴۰۰ صفحات، کتابت و طباعت خراب، قیمت ہے، ملنے کا پتہ: دفتر فاران کیمبل اسٹریٹ، کراچی

اسلام میں عقیدۂ توحید کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، اسی عقیدہ کی درستگی پر دوسرے تمام عقائد کی درستگی منحصر ہے، اسی لیے قرآن پاک اور اسلامی تعلیمات میں اس عقیدہ کا نہایت وضاحت اور تفصیل کے ساتھ ذکر ہے، مگر آج کے مسلمان توحید کے معاملہ میں طرح طرح کی گمراہیوں اور بے اعتدالیوں کا شکار ہیں اور کمال یہ ہے کہ بعض بہت سی مشرکانہ رسوم کو دینداری سمجھتے ہیں، رسالہ فاران نے اس کے ازالہ اور توحید خالص کو پیش کرنے کے لیے توحید نمبر نکالا ہے، اس نمبر میں بہت سے مشہور اہل قلم کے مضامین کو جمع کیا گیا ہے، مولانا محمد طیب، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا محمد اسمٰعیل سلفی، کے مقالات خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں، اور سب سے آخر میں مولانا محمد اسحاق کا مضمون "توحید اور مسلمانوں کی مروجہ رسمیں" نہایت فاضلانہ اور مفید ہے، مضامین کے آخر میں شعرا کا پاکیزہ کلام بھی درج ہے۔ یہ مجموعہ ہر لحاظ سے کامیاب اور جامع تو نہیں ہے، آیات و احادیث کے نقل میں بھی صحت کا پورا خیال نہیں کیا گیا ہے، مگر اس زمانہ میں جبکہ مسلمانوں میں شرک و بدعت عام ہے، یہ نمبر قابل قدر اور ایک مفید دینی خدمت ہے، اس کا مطالعہ عام مسلمانوں کے لیے مفید اور مشرکانہ گمراہیوں سے نجات کا باعث ہوگا۔

الفرقان افادات گیلانی نمبر - مرتبہ مولوی عتیق الرحمن سنبھلی، ضخامت ۵۱۰ صفحات، کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۶ عہ، پتہ: کچہری روڈ، لکھنؤ۔

یہ نمبر حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی یادگار میں نکالا گیا ہے، جو مولانا مرحوم کے چار بلند پایہ علمی اور تحقیقی مقالات پر مشتمل ہے، مولانا کے مضمون "الف ثانی یا ہزارۂ دوم" کی تلخیص مولانا نسیم فریدی نے فرمائی ہے، دوسرا مقالہ "حج کیا ہے" ایک مفید اور معلوماتی مضمون ہے، تیسرا مقالہ "دجالی فتنہ اور سورۂ کہف" بھی علمی اور تحقیقی ہے، مگر کسی علمی مسئلہ کے تمام اجزاء اور سارے مباحث سے ہر شخص کا متفق ہونا ضروری نہیں، آخری مضمون "وفا شعاری کے دو نادر نمونے" بڑا سبق آموز اور عبرت خیز ہے، مولانا گیلانی کی تحریروں میں جو خاص دلکشی اور شگفتہ بیانی پائی جاتی ہے وہ ان تمام مقالات میں بھی موجود ہے، اور ان سے ان کی وسعتِ نظر، عالمانہ تحقیق، اور نکتہ آفرینی کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا گیلانی کے مقالات کے علاوہ مولانا ابوالحسن علی ندوی کا ایک مفید مضمون بھی شریک اشاعت ہے جس میں مولانا کے علم و فضل اور شخصی کمالات پر روشنی ڈالی گئی ہے، الفرقان نے یہ نمبر نکال کر ایک مفید علمی کارنامہ انجام دیا ہے جس کے لیے لائق مرتب مبارکباد کے مستحق ہیں۔

سہ ماہی العلم جنگ آزادی نمبر - مرتبہ سید الطاف علی صاحب بریلوی، ضخامت ۱۹۲ صفحات، کتابت و طباعت عمدہ، قیمت ہے، پتہ: سعادت منزل، ناظم آباد، بندر روڈ، کراچی۔

یہ آل پاکستان ایجوکیشنل کے مشہور علمی رسالہ العلم کا خاص نمبر ہے، جس میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے مجاہدین کے حالات اور اس سلسلہ کے بعض دوسرے مقالات جمع کیے گئے ہیں، ان میں حسب ذیل مضامین خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر اور لائق مطالعہ ہیں

(۱) انقلاب ۱۸۵۷ء کا ایک ولولہ انگیز رومان (۲) ۱۸۵۷ء کی کہانی کچھ ان کی کچھ اپنی زبانی،
(۳) جنگ آزادی اور سرسید (۴) جنرل بخت خاں اعظم (۵) نواب خاں بہادر اور سکینہ وغیرہ
بعض مضامین اگرچہ اس سے پہلے شائع ہو چکے ہیں، مگر ان کی افادیت کے پیش نظر یہ تکرار کچھ گراں اور بیجا نہیں معلوم ہوتی اس نمبر کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ مسلمانوں نے جنگ آزادی میں کیسی مجاہدانہ اور سرفروشانہ سرگرمیاں دکھائی ہیں، مگر آج تعصب و تنگ نظری کی بنا پر ان حقائق و واقعات کو حرف غلط کی طرح مٹایا جارہا ہے، مسلمانوں کی جنگ آزادی کی تاریخ بہت طویل ہے، اور اسے کسی رسالہ کے محدود صفحات میں سمیٹا نہیں جا سکتا، تاہم العلم نے جو کچھ مرتب کرکے پیش کیا ہے، وہ اپنی جگہ پر لائق قدر اور قابل داد ہے،

آجکل جنگ آزادی نمبر - اڈیٹر جناب بال مکند عرش ملسیانی صفحات ۱۳۲ کتابت وطباعت عمدہ، قیمت: عہ ملنے کا پتہ: بزنس منیجر پبلیکیشنز ڈویژن اولڈ سکریٹریٹ، دہلی نمبر۶

ماہنامہ آج کل اردو کا مشہور و مقبول رسالہ ہے، اگست ۱۹۵۷ء کا شمارہ جنگ آزادی نمبر ہے، جو بلند پایہ مقالات اور کئی نظموں پر مشتمل ہے، بعض مقالات مثلاً "۱۸۵۷ء کی کہانی بڑے بوڑھوں کی زبانی"۔ "۱۸۵۷ء کی ادبی حیثیت"۔ "خاندان بہادر شاہی کی تباہی" خصوصیت کے ساتھ پڑھنے کے قابل ہیں، اسرار احمد آزاد کا مضمون "قومی جدوجہد کے ڈھائی سو سال" بڑی دیدہ ریزی اور محنت کا نتیجہ ہے، "جنرل بخت خاں" اور "جنگ آزادی کے دو گمنام سپاہی" بھی بعض حیثیتوں سے اہم ہیں، محمد مجیب صاحب کا ڈرامہ "آزمائش" بھی خوب ہے، شروع میں مولانا ابوالکلام آزاد نے ڈاکٹر ایس، این سین کی کتاب ۱۸۵۷ء پر جو پیش لفظ تحریر فرمایا ہے، اس کا ملخص ترجمہ بھی دیدیا گیا ہے، جنگ آزادی کے متعلق بہت سی تصویریں بھی ہیں جن سے اس سلسلہ کے بہت سے مناظر سامنے آتے ہیں،

فروغ اردو جنگ آزادی نمبر۲ } مرتبہ سید امیر حسن نورانی، صفحات ۲۰۸، تقطیع چھوٹی، کتابت وطباعت اچھی، قیمت عہ پتہ: ادارۂ فروغ اردو نمبر ۳۱، امین آباد پارک، لکھنؤ

ماہنامہ فروغ اردو کا یہ دوسرا جنگ آزادی نمبر ہے، اس سے پہلے ماہ فروری میں بھی ادارہ فروغ اردو جنگ آزادی نمبر نکال چکا ہے،
اس نمبر میں آٹھ مقالے ہیں، اور ایک منظوم قومی ترانہ ہے، جو اپنی تاریخی نوعیت کے لحاظ سے ایک یادگار ہے، مقالات میں فاضل مرتب سید امیر حسن نورانی کا مقالہ "تاریخ جنگ آزادی" کد و کاوش اور تلاش و تفحص سے لکھا گیا ہے اور اس نمبر کی جان ہے،
یہ نمبر بھی اس قابل ہے کہ لوگ اس سے مستفید ہوں،

دور جدید رنگون (برما) گیارہواں سالگرہ نمبر } اڈیٹر مولوی ابراہیم احمد مظاہری، صفحات ۲۸، لمبا سائز، قیمت درج نہیں۔

برما کا یہ اردو روزنامہ اپنی سنجیدگی، اردو زبان اور دین و وطن کی خدمت کے لیے مشہور ہے، برما کے کسی رسالہ یا اخبار میں "بہادر شاہ ظفر کا مقبرہ"، "رنگون میں بہادر شاہ ظفر کے آخری ایام"، "برمی زبان میں ترجمہ وتفسیر"، "برما میں اسلام اور عربوں کی آمد"، "اراکان میں شاہ شجاع کی دردناک داستان" اور "برما میں اردو شاعری" جیسے علمی مقالوں کا شائع ہونا، بڑی اہم بات ہے، ٹائٹیل بھی کافی دیدہ زیب ہے، اور واقعی یہ نمبر اس قابل ہے کہ لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں، یہ اردو کی خوش قسمتی ہے یا بدقسمتی کہ اسے دوسرے ممالک میں تو بار حاصل ہوجائے، مگر خود اپنے دیس میں اس کے لیے کوئی جگہ نہ ہو، اور وہ غریب الوطن رہے،

تعمیر انسانیت کا سالنامہ - اڈیٹر کوثر نیازی، شیخ عبدالحمید، صفحات ۲۵۲ چھوٹا سائز، قیمت ۶ پتہ: دفتر انسانیت، موچی دروازہ، لاہور،

یہ اس رسالہ کا دوسرا سالنامہ ہے جو مولانا حسرت موہانی کے تین غیر مطبوعہ خطوط، مولانا مودودی کا پیغام، تعمیری ادب سے متعلق چار مقالے، ایک ڈرامہ، متعدد افسانوں نظموں اور غزلوں پر مشتمل ہے، نظم کے حصہ میں اقبال سہیل، روش صدیقی، شفیق جونپوری اور ماہر القادری جیسے مشاق اور قادر الکلام شعراء کی غزلیں ہیں، اداریہ میں کوثر نیازی صاحب نے ادبی کارناموں پر اجمالی روشنی ڈالی ہے، مجموعی حیثیت سے یہ نمبر تعمیری ادب سے دلچسپی لینے والوں کے لیے مفید ہوگا،

نئی نسلیں خاص نمبر - اڈیٹر م نسیم، طیب عثمانی، سائز متوسط قیمت ۸/
صفحات ۹۵ - چھپائی اچھی، ملنے کا پتہ: دفتر نئی نسلیں ۶ - ۱۰۴/۴ نظیر آباد لکھنؤ،

رسالہ نئی نسلیں مفید اور سنجیدہ اخلاقی و تعمیری ادب کی نہایت مفید خدمت انجام دے رہا ہے، اب اس نے یہ خاص نمبر نکالا ہے، اس نمبر میں براڈ فورڈ جیمبرس کی ایک کتاب کی تلخیص، دو ادبی مقالے اور تین افسانے شامل ہیں، ان کے علاوہ نظموں اور غزلوں کا حصہ بھی خاصہ طویل ہے، مجموعی طور پر یہ نمبر اپنے مقصد کے لحاظ سے کامیاب ہے۔ "ض"

(۵۸ء کی دوسری نئی کتاب)

تاریخ دعوت وعزیمت حصہ دوم

آٹھویں صدی ہجری کے مشہور عالم و مصلح شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کے سوانح حیات، ان کے صفات و کمالات، ان کی علمی و تصنیفی خصوصیات، ان کا تجدیدی و اصلاحی کام اور مقام اور ان کی اہم تصنیفات کا مفصل تعارف اور ان کے ممتاز تلامذہ اور منتسبین کے حالات، مرتبہ مولانا سید ابوالحسن ندوی، قیمت :

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

فنون لطیفہ بعہد اورنگزیب } از جناب ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب چغتائی، تقطیع بڑی، ضخامت ۱۲۰ صفحات، کاغذ معمولی، کتابت و طباعت بہتر،
قیمت: عہ/ پتہ: کتاب خانہ نورس، کبیر اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور،

اورنگ زیب کے متعلق عام شہرت یہ ہے کہ وہ اپنے مذہبی تقشف کی بنا پر فنون لطیفہ کا مخالف تھا، اور اس سلسلہ میں بڑی مبالغہ آمیز روایات مشہور ہیں، جن کی حیثیت لطائف سے زیادہ نہیں ہے، یہاں تک تو صحیح ہے کہ جو فنون اسلام میں حرام ہیں، مثلاً موسیقی اور مصوری ان کو اورنگزیب پسند نہ کرتا تھا، مگر اس کی ناپسندیدگی اسی حد تک تھی کہ خود ان سے محترز رہا اور انکی سرپرستی نہیں کی لیکن ان کی قانونی بندش بھی نہیں کی، اس لیے اس کے زمانہ میں بھی وہ قائم رہے، لیکن دوسرے فنون لطیفہ مثلاً تعمیر، نقاشی، صناعی، خطاطی، شعر و ادب وغیرہ کا خود اورنگزیب بڑا ستھرا مذاق رکھتا تھا اور ان کا قدردان و سرپرست بھی تھا جس پر اس کے دور میں ان فنون کی ترقی شاہد ہے، مذکورہ بالا کتاب میں اسی عام شہرت کی تصحیح کی گئی ہے، اور تاریخی شواہد کی روشنی میں جائز فنون لطیفہ سے اورنگزیب کے ذوق، ان کی سرپرستی، اس کے تعمیری کارناموں، اسکے عہد کی موسیقی، مصوری، خطاطی، اس کے اصحاب کمال، چینی کوزہ گری، آلات سازی، سکہ سازی، جہاز سازی، پارچہ بافی، قالین بافی وغیرہ مختلف صنعتوں اور فنون لطیفہ کے حالات لکھے گئے ہیں، جس سے اس عہد میں ان کی ترقی کا اندازہ ہوتا ہے، اس سلسلہ میں اس دور کے اور بہت سے مفید

حالات آگئے ہیں، اور اورنگ زیب کے متعلق بعض غلط فہمیاں بھی دور ہو جاتی ہیں، اس حیثیت سے یہ کتاب بڑی مفید اور دلچسپ ہے، مگر زبان اتنی ناہموار ہے کہ آج سے ایک صدی پہلے کی معلوم ہوتی ہے، غالباً مصنف کو اردو میں لکھنے کا کم اتفاق ہوتا ہے،

علمی نقوش ۔ از جناب ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں صدر شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۳۱۲ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد للعہ، پتہ: علمی کتب خانہ، ناظم آباد، کراچی،

یہ کتاب لائق مصنف کے ان علمی و تحقیقی مضامین کا مجموعہ ہے جو ہند و پاکستان کے ممتاز علمی رسائل میں شائع ہو چکے ہیں، اس مجموعے میں حسب ذیل مضامین ہیں: ولی ویلوری کی تین مثنویاں، ولی گجراتی کا غیر مطبوعہ کلام، خاکی، حضرت شرف الدین یحیٰی منیری کے اردو فالنامے، اسلامی اور غزنوی علم، اردو املا کی تاریخ، میر کی مثنوی دریائے عشق کا ایک ماخذ، عبدالحیٔ تاباں پر ایک نظر، مبتین برہانپوری کے اردو مرثیے، نکات احسن مارہروی، غنچۂ شاہی، حافظ کے قصیدے، خلاصۃ الاخبار، مصطلحات صوفیہ، مصنف کی علمی شہرت ان مضامین کے تعارف و تبصرہ سے مستغنی ہے، بیشتر مضامین ان کے سنجیدہ علمی و تحقیقی ذوق کا نمونہ ہیں،

تذکرۂ مخطوطات ادارۂ ادبیات اردو جلد سوم — مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری، تقطیع بڑی، ضخامت ۴۸۴ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد معہ، پتہ: ادارۂ ادبیات اردو، خیرت آباد، حیدرآباد دکن،

حیدرآباد کے مشہور ادارہ ادبیات اردو کا کتب خانہ اردو زبان کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ نایاب کتابوں کا بڑا قیمتی اور نادر ذخیرہ ہے، اس کی فہرست کی کئی جلدیں شائع ہو چکی ہیں، یہ غیر مطبوعہ کتابوں کی فہرست کی تیسری جلد ہے، اس میں دو سو قلمی کتابوں کی تفصیلی فہرست ہے،

جس میں تصنیف اور مصنف دونوں کے متعلق ضروری معلومات بھی دیدیے گئے ہیں، ہندوستان کے مختلف کتب خانوں میں اردو کی بہت سی نایاب کتابیں بکھری ہوئی ہیں، جن کا علم بھی کسی کو نہیں اور ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا، اس لیے لائق مرتب نے یہ فہرست شائع کر کے اردو زبان کی بڑی مفید خدمت انجام دی ہے، اور اس پر کام کرنے والوں کے لیے بڑی سہولت پیدا کر دی ہے، کتاب کے شروع میں تینوں جلدوں کی مندرجہ کتابوں کی اجمالی فہرست بھی دیدی ہے،

شاہ نامۂ اسلام ۔ از جناب مولوی عامر عثمانی صاحب، تقطیع بڑی، ضخامت ۱۶۰ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد صہ، پتہ: مکتبہ تجلی دیوبند ضلع سہارنپور،

حفیظ جالندھری کے شاہنامہ کو جو شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی، اس کے بعد مشکل ہی سے دوسرا شاعر اس میدان میں قدم رکھ سکتا ہے، مگر ابھی غالباً اس میں عہد رسالت کے واقعات بھی ختم نہیں ہوئے ہیں، اور نہ بظاہر اس کی تکمیل کی امید ہے، اس لیے عامر عثمانی صاحب نے اس کو مکمل کرنے کی ہمت کی ہے، اور اپنے شاہنامہ کی ابتدا خلافت راشدہ سے کی ہے، اس جلد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات، سقیفہ بنی ساعدہ، حضرت ابوبکر صدیق رض کے انتخاب، اسامہ بن زید رض کی مہم، اور فتنۂ ارتداد و مانعین زکوٰۃ کی ابتدا تک کے واقعات نظم کیے گئے ہیں، نثر میں تو مصنف کے زور قلم کا اندازہ تھا، مگر ان کی شاعرانہ صلاحیت کا علم پہلی مرتبہ ہوا، اور یہ دیکھکر تعجب ہوا کہ شاعری میں وہ چھپے رستم نکلے اور چپکے چپکے پوری ایک منظوم تاریخ لکھ ڈالی، وہ کوئی معروف شاعر نہیں، اور ادبی اور شاعرانہ خوبیوں کے ساتھ ایسی طویل نظم لکھنا کہنہ مشق شعرا کے لیے بھی آسان نہیں ہے، اس لیے حفیظ جالندھری کے جیسے شاہنامہ کی توقع ان سے نہیں کیجا سکتی، چنانچہ اس شاہنامہ میں ادبی حیثیت سے جابجا نشیب و فراز اور کہیں کہیں

حالات آگئے ہیں، اور اورنگ زیب کے متعلق بعض غلط فہمیاں بھی دور ہوجاتی ہیں، اس حیثیت سے یہ کتاب بڑی مفید اور دلچسپ ہے، مگر زبان اتنی ناہموار ہے کہ آج سے ایک صدی پہلے کی معلوم ہوتی ہے، غالباً مصنف کو اردو میں لکھنے کا کم اتفاق ہوتا ہے،

علمی نقوش۔ از جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صدر شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۳۱۲ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد للعہ، پتہ: علمی کتب خانہ، ناظم آباد، کراچی،

یہ کتاب لائق مصنف کے ان علمی و تحقیقی مضامین کا مجموعہ ہے جو ہند و پاکستان کے ممتاز علمی رسائل میں شائع ہو چکے ہیں، اس مجموعے میں حسب ذیل مضامین ہیں: ولی دیلوری کی تین مثنویاں، ولی گجراتی کا غیر مطبوعہ کلام، خاکی، حضرت شرف الدین یحییٰ منیری کے اردو فالنامے، اسلامی اور غزنوی علم، اردو املا کی تاریخ، میر کی مثنوی دریائے عشق کا ایک ماخذ، عبدالحئی تاباں پر ایک نظر، متین برہانپوری کے اردو مرثیے، نکات احسن مارہروی، غنچہ شاہی، حافظ کے قصیدے، خلاصۃ الاخبار، مصطلحات صوفیہ، مصنف کی علمی شہرت ان مضامین کے تعارف و تبصرہ سے مستغنی ہے، بیشتر مضامین ان کے سنجیدہ علمی و تحقیقی ذوق کا نمونہ ہیں،

تذکرۂ مخطوطات ادارۂ ادبیات اردو جلد سوم مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری، تقطیع بڑی، ضخامت ۴۸۴ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد معہ، پتہ: ادارۂ ادبیات اردو، خیرت آباد، حیدرآباد دکن،

حیدرآباد کے مشہور ادارہ ادبیات اردو کا کتب خانہ اردو زبان کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ نایاب کتابوں کا بڑا قیمتی اور نادر ذخیرہ ہے، اس کی فہرست کی کئی جلدیں شائع ہو چکی ہیں، یہ غیر مطبوعہ کتابوں کی فہرست کی تیسری جلد ہے، اس میں دو سو قلمی کتابوں کی تفصیلی فہرست ہے،

جس میں تصنیف اور مصنف دونوں کے متعلق ضروری معلومات بھی دیدیے گئے ہیں، ہندوستان کے مختلف کتب خانوں میں اردو کی بہت سی نایاب کتابیں بکھری ہوئی ہیں، جن کا علم بھی کسی کو نہیں اور ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا، اس لیے لائق مرتب نے یہ فہرست شائع کرکے اردو زبان کی بڑی مفید خدمت انجام دی ہے، اور اس پر کام کرنے والوں کے لیے بڑی سہولت پیدا کر دی ہے، کتاب کے شروع میں تینوں جلدوں کی مندرجہ کتابوں کی اجمالی فہرست بھی دیدی ہے،

شاہنامۂ اسلام۔ از جناب مولوی عامر عثمانی صاحب، تقطیع بڑی، ضخامت ۱۶۰ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد صر، پتہ: مکتبہ تجلی دیوبند ضلع سہارنپور،

حفیظ جالندھری کے شاہنامہ کو جو شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی، اس کے بعد مشکل ہی سے دوسرا شاعر اس میدان میں قدم رکھ سکتا ہے، مگر ابھی غالباً اس میں عہد رسالت کے واقعات بھی ختم نہیں ہوئے ہیں، اور نہ بظاہر اس کی تکمیل کی امید ہے، اس لیے عامر عثمانی صاحب نے اس کو مکمل کرنے کی ہمت کی ہے، اور اپنے شاہنامہ کی ابتدا خلافت راشدہ سے کی ہے، اس جلد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات، سقیفہ بنی ساعدہ، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے انتخاب، اسامہ بن زید رضؓ کی مہم، اور فتنۂ ارتداد و مانعین زکوٰۃ کی ابتدا تک کے واقعات نظم کیے گئے ہیں، نثر میں تو مصنف کے زور قلم کا اندازہ تھا، مگر ان کی شاعرانہ صلاحیت کا علم پہلی مرتبہ ہوا، اور یہ دیکھکر تعجب ہوا کہ شاعری میں وہ چھپے رستم نکلے اور چپکے چپکے پوری ایک منظوم تاریخ لکھ ڈالی، وہ کوئی معروف شاعر نہیں، اور ادبی اور شاعرانہ خوبیوں کے ساتھ ایسی طویل نظم لکھنا کہنہ مشق شعرا کے لیے بھی آسان نہیں ہے، اس لیے حفیظ جالندھری کے جیسے شاہنامہ کی توقع ان سے نہیں کیجا سکتی، چنانچہ اس شاہنامہ میں ادبی حیثیت سے جا بجا نشیب و فراز اور کہیں کہیں

ادبی فروگذاشتیں بھی ہیں، لیکن مجموعی حیثیت سے وہ ایک کامیاب نظم ہے، اور بعض نظموں میں کہنہ مشقی کی شان نمایاں ہے، اور متفرق اشعار تو بہت سے بلند پایہ نکلیں گے، یہ شاہنامہ لکھکر مصنف نے ایک مفید ادبی و دینی خدمت انجام دی ہے، ایسی نظموں کی اردو میں بڑی ضرورت ہے،

ترجمان غالب ۔ از جناب شہاب الدین مصطفےٰ صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۴۶۴ صفحات، کاغذ معمولی، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد للعہ پتہ مکتبہ نشاۃ ثانیہ معظم جاہی مارکٹ حیدرآباد دکن،

یہ دیوان غالب کی نئی شرح ہے، اس کی اتنی شرحیں لکھی جاچکی ہیں کہ اب کسی جدید شرح میں مشکل سے کوئی نئی بات کہی جاسکتی ہے، ہم نے اس شرح کو جابجا سے دیکھا، مصنف نے عموماً قدیم شرحوں کو اختصار اور سلیقہ کے ساتھ جمع کردیا ہے، کہیں کہیں جدت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، مگر اس میں بھی کوئی خاص بات نظر نہیں آئی، یہ شرح غالباً طلبہ کے لیے لکھی گئی ہے، اور ان کے لیے مفید ہے، شارحین اگر کچھ دنوں تک اقبال اور غالب کے کلام کو دم لینے دیتے تو زیادہ بہتر ہوتا ۔

لغات القرآن ۔ مرتبہ شہید الدین صاحب مرحوم، تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۴۱ صفحات، کاغذ معمولی، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد للعہ پتہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ، کراچی

ادھر چند برسوں کے اندر اردو میں لغات القرآن کی متعدد چھوٹی بڑی کتابیں لکھی گئیں، یہ نئی کتاب مولانا شہید الدین مرحوم کی تالیف ہے، اس میں کوئی خاص خصوصیت یا نیا اضافہ نہیں ہے، حروف تہجی کی ترتیب سے لغات قرآنی کے مختصر اردو معنی لکھ دیے گئے ہیں، اور قرآن مجید میں غیر عربی الفاظ کے بارہ میں سیوطی نے اتقان میں علماء و ائمہ کی جو رائیں لکھی ہیں اور ان الفاظ کی جو فہرست دی ہے اس کو مع تشریح کے نقل کردیا گیا ہے، یہ کتاب طلبہ کے لیے مفید ہے۔

"م"

نمبر۶ ماہ جمادی الاول ۱۳۷۷ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۵۷ء، جلد ۸۱

مضامین

شذرات — شاہ معین الدین احمد ندوی — ۴۰۲-۴۰۴

مقالات

مدارج سلوک — جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب صدر شعبۂ فلسفہ — ۴۰۵-۴۱۶
جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن — ۴۰۵-۴۱۶

فارابی کی منطق — جناب شبیر احمد خانصاحب غوری ایم اے — ۴۱۷-۴۴۰
رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی اترپردیش

ابن الجزریؒ — جناب مولانا محمد عبد الحلیم صاحب چشتی — ۴۴۱-۴۵۳
فاضل دیوبند

کشف الحقائق — جناب پروفیسر شیخ فرید صاحب برہانپوری
ایم اے لکچرار رابرٹسن کالج جبلپور — ۴۵۴-۴۶۷

بلجیم سے ایک عزیز دوست کے چند خطوط بنام سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب — ۴۶۸-۴۷۶

مطبوعات جدیدہ — "م" — ۴۷۷-۴۸۰